اردو کا کلاسیکی ادب
مثنوی
ہشت عدل
مع
واسوخت
از
محمود بیگ راحت
مرتبہ
گوہر نوشاہی
مجلس ترقی ادب ۰ لاہور

طبع اول فروری : ۱۹۷۱ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : پروفیسر حمید احمد خاں
ناظمِ مجلس ترقیِ ادب ، لاہور

مطبع : مطبع عالیہ ، ۱۲۰/۵ ٹمپل روڈ ، لاہور

مہتمم : سید اظہارالحسن رضوی

بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۱۱۶
اردو کا کلاسیکی ادب
مثنوی ہشت عدل
مع واسوخت
از
محمود بیگ راحت
ناشر
مجلسِ ترقیِ ادب
۲۔ نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور

فہرست

مقدمہ از مرتب - - - - - - - - - - - ۱ تا ۱۹

مثنوی ۱ :

در بیانِ حمدِ باری تعالیٰ - - - - - - - - - ۲۳

مثنوی ۲ :

در بیانِ نعت و معدلتِ سرورِ کائنات - - - - - ۳۲

مثنوی ۳ :

در بیانِ عدلِ محمد جلال الدین اکبر شاہ بادشاہ غازی
انار اللہ برہانہ' - - - - - - - - - - - - - ۴۱

مثنوی ۴ :

ذکرِ عدالتِ نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی
نوّراللہ مرقدہ - - - - - - - - - - - - - ۵۷

مثنوی ۵ :

در بیانِ معدلتِ خلد مکان شاہ جہان و اخلاقِ خاقان گوید ۱۷

مثنوی ۶ :

در بیانِ معدلتِ معین الدین اکبر شاہ بادشاہ غازی ثانی ۷۷

مثنوی ۷ :

در بیانِ معدلتِ مہاراجہ نراندر سنگھ بیکنٹھ باش
فرمان روائے پٹیالہ - - - - - - - - - - - ۹۳

مثنوی ۸ :
در بیانِ عدالتِ مہاراجہ مہندر سنگھ فرمانروائے قلمروِ
پٹیالہ دام ملکہ - - - - - - - - - - - - - ۱۰۰
قصیدۂ تہنیت صدر نشینیِ جناب مہاراجہ مہندر سنگھ
صاحب بہادر - - - - - - - - - - - - - ۱۱۶
خاتمہ (از مصنف) - - - - - - - - - - - - - ۱۲۱
واسوختِ راحت - - - - - - - - - - - - - ۱۲۷

مقدمہ

آغا محمود بیگ نام اور راحت تخلص تھا۔ والد کا نام احمد بیگ[1] اور آبائی وطن روم تھا[2]۔ دہلی کے محلے فراش خانہ میں رہتے تھے[3]۔ سپاہی پیشہ اور جواں مرد تھے[4]۔ شعر و ادب کا شوق ابتدا سے تھا اور شاعری میں حکیم مومن خاں مومن دہلوی (متوفی ۱۸۵۲ع) سے اصلاح لیتے تھے[5]۔

بھرت پور کی لڑائی (۱۸۲۶ع) سے کچھ قبل لفٹیننٹ کرنل جیمز سکنر (متوفی ۱۸۴۱ع) کے رسالے میں شامل ہوئے[6]، اس وقت ان کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ ہو گی کیونکہ فریزر نے انھیں دیکھ کر ان پر دودھ پیتے بچے کی پھبتی کسی

---

۱ - گلستان سخن ، از قادر بخش صابر ، صفحہ ۲۴۳ - و سخن شعرا از نساخ صفحہ ۱۷۵ - و طور کلیم از سید نورالحسن صفحہ ۴۴ - و بزم سخن از سید علی حسن ، صفحہ ۵۳ -

۲ - گلستان سخن ، صفحہ ۲۴۳ -

۳ - حیات مومن ، از عرش گیاوی صفحہ ۱۷۵ -

۴ - گلستان سخن ، صفحہ ۲۴۳ -

۵ - گلستان سخن صفحہ ۲۴۳ - سخن شعرا صفحہ ۱۷۵ - طور کلیم صفحہ ۴۴ - بزم سخن صفحہ ۵۳ -

۶ - نتائج المعانی ، از محمود بیگ راحت ، حکایات نمبر ۱۳ و ۳۵ -

تھی[1]۔ اسی جنگ میں فریزر (متوفی ۱۸۳۵ع) نے ایک چھوٹی سی بات پر خوش ہو کر انھیں دفعہ داری دے دی تھی[2]۔

۱۸۳۷ع سے بہت پہلے راحت نے سکنر کی ملازمت ترک کر دی تھی کیونکہ یہ اکبر شاہ ثانی فرمانروائے دہلی کی وفات کا سال ہے اور نتائجُ المعانی کی ایک حکایت میں راحت نے خود کو بادشاہ کی طرف سے مکند پور علاقہ ریواں کا عامل لکھا ہے[3]۔ راحت، اکبر شاہ ثانی کے پوتے مرزا شاہرخ (متوفی ۱۸۴۸ع) کے مصاحب تھے[4]۔ اکبر شاہ ثانی کی وفات (۲۹ ستمبر ۱۸۳۷ع) سے چند ماہ قبل وہ دہلی چھوڑ کر بھوپال آ گئے، جہاں نواب جہانگیر محمد خاں دولہ شمشیر جنگ (متوفی ۱۹ نومبر ۱۸۴۴ع) نے انھیں اپنی مصاحبت میں لے لیا۔ راحت نے خود اقرار کیا ہے کہ آشتہ کی لڑائی میں (جو ۲۳ جولائی ۱۸۳۷ع کو نواب قدسیہ بیگم اور نواب جہانگیر محمد خاں کے درمیان ہوئی) وہ نواب موصوف کی طرف سے شامل تھے[5]۔ دسمبر ۱۸۳۷ع میں نواب دولہ بھوپال کے خود مختار والی ہوئے[6]۔ سالِ جلوس سے لے کر وفات تک راحت، نواب کے ساتھ وابستہ رہے۔

---

۱ - نتائجُ المعانی از محمود بیگ راحت حکایت نمبر ۳۵ -

۲ - " " " حکایت نمبر ۳۵ -

۳ - " " " حکایت نمبر ۳۹ -

۴ - " " " حکایت نمبر ۱۴ -

۵ - " " " حکایت نمبر ۸۸ -

۶ - تاج الاقبال، از شاہجہان بیگم، دفتر اول، صفحہ ۴۰ تا صفحہ ۴۲ - سیرتِ والا جاہی، از سید محمد علی حسن، صفحہ ۱۰ تا ۱۴ - نیز بھوپال سٹیٹ گزیٹیر -

'نتائج المعانی' میں تیرہ حکایتیں نواب دولہ کی زندگی کے مختلف واقعات سے متعلق ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ راحت کو نواب سے حد درجہ عقیدت تھی اور نواب کو راحت پر بےپناہ اعتماد تھا۔

بھوپال کی ریاست سے ان کا سلسلۂ ملازمت کس زمانے میں منقطع ہوا ؟ اس باب میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن گمان کہتا ہے کہ نواب جہانگیر محمد خاں کی وفات (۱۹ نومبر ۱۸۴۰ع) کے بعد راحت واپس دہلی آ گئے تھے اور بعض تذکرہ نگاروں کے بقول علائقِ دنیوی سے دستبردار ہو کر خلوت نشینی اختیار کر لی تھی۔ یہ زمانہ ۱۸۴۴ع سے ۱۸۵۷ع کے درمیان شمار کیا جا سکتا ہے۔ صابر نے اپنے تذکرے میں ، جو ۱۸۵۵ع میں تصنیف ہوا ، ان کے بارے میں لکھا ہے :

"مدت سے گوشۂ اِنزوا اختیار اور قطعِ علائق کو خلعتِ قدِ ادا تجویز کیا ، آشنا و بیگانہ سے ترکِ ملاقات کرکے امید و بیم سے فارغ اوقات بسر کرتا ہے۔ سرمایۂ علمی بہ قدرِ ضرورت فراہم ہے۔[1]"

لالہ سری رام نے بھی انھی خیالات کا اظہار کیا ہے :

"غدر سے پیشتر فوجی ملازمت ترک کر کے خانہ نشین اور علائق سے دستبردار ہو گئے تھے۔[2]"

۱۸۵۷ع کی جنگ آزادی کے بعد جب نادر شاہی غارت‌گری کی طرح ایک بار پھر اہلِ دہلی پر عرصۂ حیات تنگ ہوا تو

---

۱ - گلستان سخن ، صفحہ ۲۴۳ -

۲ - خمخانۂ جاوید ، صفحہ ۳۰۲ ، جلد سوم -

دوسرے بےروزگار لوگوں کی طرح راحت بھی تلاشِ معاش میں ترکِ وطن پر مجبور ہوئے۔ یہ زمانہ یقیناً ۱۸۶۰ع کے بعد کا ہوگا۔ کیونکہ اس سنہ کے قریب وہ دہلی کے ایک اہم ادبی معرکے میں شریک نظر آتے ہیں۔ مرزا غالب کی مشہور کتاب قاطع برہان کے جواب میں جب امین‌الدین نے قاطع‌القاطع لکھی تو راحت نے غالب کی مخالفت میں قاطع القاطع کے لیے خمسۂ تاریخ موزوں کیا جو کتاب کے ساتھ شائع ہوا۔ قاضی عبدالودود نے اس خمسے کا درج ذیل بند اپنے ایک مقالے میں شامل کیا ہے:[1]

مومن نماند آنکہ شتابد بہ نیک و بد
صہبائی ہم بمرد کہ آید بتّرد و کد
میدان صاف صید فگن پنجۂ اسد
امّا ندیدہ بود طرازندۂ فسد
شمشیرِ آبدارِ زبانِ امینِ دیں

۱۲۸۳ھ

اس خمسے کے مضامین میں راحت کے ہاں غالب دشمنی کی وہ پرانی کسک موجود ہے جو غالب اور مومن کے شاگردوں کے درمیان ادبی رقابت کا درجہ رکھتی ہے۔

راحت دہلی سے ہجرت کرکے پٹیالے میں آ گئے۔ اس دور کی زندگی کے بارے میں ان کی زیر نظر تصنیف مثنوی ہشت عدل کے بعض اشارے معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ راحت، مہاراجہ نرندر سنگھ والیِ پٹیالہ (متوفی ۱۳ نومبر

۱۔ غالب کے بارے میں بعض وضاحتی امور، مطبوعہ نقوش (غالب نمبر) فروری ۱۹۶۹ع۔

۱۸۶۲ع) کے عہد میں پٹیالے آئے تھے کیونکہ ہشت عدل میں ایک حکایت مہاراجہ نرندرسنگھ کے عدل پر بھی ہے ۔ قیاساً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مہاراجہ موصوف سے قرب حاصل تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۶۲ع میں جب مہاراجہ نرندر سنگھ فوت ہوئے اور ان کی جگہ ان کے بیٹے مہاراجہ مہندر سنگھ صدرنشیں ہوئے تو راحت نے قصیدہ کہا ۔ یہ قصیدہ مثنوی ہشت عدل کے آخر میں شامل ہے ۔

پٹیالے میں قیام کا زمانہ راحت کے لیے بے حد عسرت اور تنگ دستی کا دور تھا ۔ اس زمانے میں انھوں نے تصنیف و تالیف شروع کی ۔ پہلے تذکرہ خزینۂ راحت ، پھر مثنوی ہشت عدل اور اس کے بعد نتائجُ المعانی لکھی ۔ ہشت عدل مہاراجہ مہندر سنگھ کی خدمت میں پیش کی اور انعام کے خواستگار ہوئے لیکن دلی مراد پوری نہ ہوئی[1] ۔ نتائجُ المعانی سر ولیم میور کی خدمت میں پیش کی جس پر انھیں کچھ صلہ ملا[2] ۔ یہ رقم کس قدر تھی ، اس کی تفصیل دستیاب نہیں ہو سکی ۔

پٹیالہ میں راحت کی پریشاں حالی کا اندازہ مثنوی ہشت عدل کے مندرجہ ذیل اشعار سے کیا جا سکتا ہے : یہ اشعار

---

۱ ۔ نتائج المعانی ، خاتمۂ کلام ۔

۲ ۔ خاتمۃ الطبع میں مہتمم مطبع کے الفاظ ہیں : ''از بسکہ یہ کتاب نتائج المعانی منظور نظر نکتہ سنجان مرکز دائرۂ ہنر پروری اور مطبوع طبع دقیقہ فہمان منازل بروج آسمان قدردانی ہو کر بس حصولِ صلہ ہمارے مطبع میں واسطے طبع کے آئی ۔''

انھوں نے والیِ پٹیالہ مہاراجہ مہندر سنگھ[1] کی نذر کیے تھے - ان اشعار میں 'یہ' کا اشارہ مہاراجہ موصوف کی طرف اور 'تو' کا اپنی طرف ہے :

'تو ہے مریض اور یہ ہے مسیحا
مشکل کیا ہے ؟ تیرے مداوا

مانا ہم نے تو ہے پریشاں
رنج ہے تیرے گھر میں مہماں

ہے یہ اشارہ تیرا کافی
ہو جاوے گی اس کی تلافی

ان اشعار کے علاوہ مہاراجہ مہندر سنگھ کی تخت نشینی کی تقریب پر لکھا ہوا راحت کا قصیدہ بھی اس صورتِ حال کی واضح طور پر شہادت دیتا ہے - چند اشعار ملاحظہ فرمائیے :

کدام مردہ دلی ؟ راحتِ غریب و نحیف ؟
کہ او بگوشہؑ عزلت نشستہ بی خور و خواب

---

۱ - مہاراجہ مہندر سنگھ ، مہاراجہ نرندر سنگھ والیِ پٹیالہ کے اکلوتے بیٹے تھے - ١٦ ستمبر ١٨٥٢ع کو پیدا ہوئے، باپ کی وفات (١٣ نومبر ١٨٦٢ع) پر حکمران نامزد ہوئے لیکن کلی اختیار ١٨٧٠ع میں حاصل کیے - اسی سال ''رئیس اعظم طبقہؑ اعلیٰ ستارۂ ہند'' کا خطاب ملا - انھوں نے مشہور ریاضی دان ماسٹر رام چندر دہلوی سے تعلیم حاصل کی تھی - سر لیپل گرفن کی تصنیف ''راجگان پنجاب'' کے اردو ترجمے کی اشاعت (یعنی ١٨٨٣ع) تک زندہ تھے- (تفصیل کے لیے دیکھیے راجگان پنجاب از گرفن) -

دریں زمانۂ ماضی کہ بر سرم بگذشت
رسیدہ بود بلب جانِ من بحالِ خراب
کنوں سروش مرا مژدہ داد ، ہاں برخیز
گزشت نکبت و عسرت بسانِ نقشِ سراب

مہاراجہ مہندر سنگھ کو راحت نے اپنا ولیِ نعمت لکھا ہے[1] ۔ پٹیالے میں مہاراجہ کے علاوہ راحت کے مربّیوں میں مہاراجہ کے وزیر اعظم سید محمد حسن خاں بھی تھے ۔ ہشت عدل انہوں نے سید صاحب ہی کی وساطت سے مہاراجہ کی خدمت میں پیش کر کے صلے کی خواستگاری کی تھی[2] ۔

راحت کی وفات کے بارے میں صحیح تاریخ کا تعین مشکل ہے ۔ محترم کلب علی خاں فائق صاحب کا خیال ہے کہ "۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ع) تالیف تذکرۂ 'طور کلیم' سے پہلے انتقال کر گئے تھے[3] ۔" اس کے علاوہ اس سلسلے میں اور کسی جگہ

---

۱ ۔ خاتمہ کلام مثنوی ہشت عدل ۔

۲ ۔ خلیفہ سید محمد حسن ، مہاراجہ نرندر سنگھ کے زمانے میں پٹیالے کے حاکمِ عدالت تھے ۔ مہاراجہ کی وفات پر گورنمنٹ نے ایک حکمران کونسل بنائی جو شہزادہ مہندر سنگھ کے بلوغ تک ریاست کی نگران تھی ۔ اس میں تین افراد رکن تھے۔ ۱۸۶۶ع تک ان میں سے دو آدمی فوت ہو چکے تھے ۔ چنانچہ اسی سال سید محمد حسن اور سردار فتح سنگھ کو اہل کاران متوفی کی جگہ کونسل کا رکن بنا دیا گیا ۔ اس وقت سید محمد حسن صدر عدالت عالیہ تھے۔ مہاراجہ مہندر سنگھ نے انھیں وزیر اعظم مقرر کیا ۔ (راجگان پنجاب)

۳ ۔ "مومن—حیات اور کلام" از کلب علی خاں فائق رام پوری ، صفحہ ۱۴۸ ، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۔

کوئی حوالہ نہیں ملتا۔

راحت کی مندرجہ ذیل تصانیف کا سراغ مل سکا ہے:

تذکرہ خزینۂ راحت:

سالِ تصنیف اور سنہ طباعت وغیرہ معلوم نہ ہو سکا۔ اس کا حوالہ نتائج المعانی کے سببِ تالیف میں موجود ہے۔ اصل کتاب مجھے دستیاب نہیں ہو سکی۔

مثنوی ہشت عدل:

زیر نظر تصنیف۔ تفصیل آئندہ سطور میں آئے گی۔

نتائج المعانی:

۶۷ کے قریب مختلف واقعات، حکایات اور لطیفوں کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے بیشتر واقعات راحت کی اپنی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ راحت کے سوانح اور شخصیت پر یہ کتاب اہم ترین ماخذ ہے۔ ۱۸۷۴ع میں پہلی مرتبہ مطبع میڈیکل پریس آگرہ سے شائع ہوئی۔ اب اسے راقم الحروف نے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ مرتّب کیا ہے اور مجلسِ ترقیِ ادب لاہور کی طرف سے ۱۹۶۷ع میں اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

واسوخت:

اس کا حوالہ فدا علی عیش کے تذکرے شعلۂ جوالہ، سری رام کے تذکرے خمخانۂ جاوید اور گارسین دتاسی کی تاریخ ادبیات ہندی اور ہندوستانی میں موجود ہے۔ تفصیل آئندہ سطور میں آئے گی۔

راحت کی غزلوں کا انتخاب تذکروں میں موجود ہے ، لیکن ان کے دیوان کا کسی نے ذکر نہیں کیا[1] ۔

---

۱ ۔ گلستان سخن میں راحت کی غزلوں کا مندرجہ ذیل انتخاب ہے :

اشک آنکھوں سے نکل کر زیر مژگاں تھم گیا
دم نہ لے سائے میں کیوں کہ تھا مسافر دور کا

ہم سے وہ بھی چھٹے اور یہ دل شیدا چھوٹا
یاد کس کس کو کریں خیر جو چھوٹا چھوٹا

صبر و قرار و تاب و تواں رفتہ رفتہ سب
آ جائیں گے کہیں سے دل رفتہ گر ملا

غیروں سے جو اشارے محفل میں ہیں تمھارے
سمجھیں وہ یا نہ سمجھیں پر یہ غلام سمجھا

کھلایا مجھے غم ، پلایا مجھے خوں
ہوا جب میں ناکام مہماں تمھارا

کچھ جان سی آتی ہے مری جان میں قاتل
پانی ترے خنجر میں ہے کیا آب بقا کا

لے گیا رات کو باتوں میں لگا کر ان کو
کیونکہ قائل نہ ہوں راحت تری تقریر کے ہم

اجل پہلے آئے کہ وہ پہلے آئیں
یہی راہ مدت سے ہم دیکھتے ہیں

روئے قاتل سے خجالت کیوں نہ ہو روز جزا
ساتھ میرے ایک عالم ہو لیا فریاد کو

یہ چاہتا ہوں کہ راز نہاں نہ افشا ہو
ترے دہن سے زیادہ مرا دہن بن جائے

(گلستان سخن ، صفحہ ۲۸۵ ، مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور)

۲

مثنوی ہشت عدل ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں پہلی مرتبہ مطبع نول کشور پٹیالہ کے زیرِ اہتمام طبع ہوئی ۔ غالباً یہی تصنیف کا سال ہے ۔ تاریخ کے مادے یہ ہیں :

از مصنف :

(۱) "دادِ سخنِ شیریں"

(۲) "راحت دہِ دل یہ مثنوی ہے"

از منشی چیت رام کاتب :

"ختم کی تاریخ لکھی با فروغ"

مثنوی ہشت عدل میں عدل و انصاف کے موضوع پر آٹھ واقعات آٹھ مختلف بحروں میں نظم کیے گئے ہیں ۔ اس طرح یہ کتاب آٹھ مختلف ادبی ٹکڑوں کو ایک خاص وحدت میں پروتی ہے ۔ یہ وحدت اس کا موضوع ہے یعنی عدل و انصاف کے واقعات ۔ اب ان آٹھوں مثنویوں کا الگ الگ تذکرہ سن لیجیے :

(۱) پہلی مثنوی حمد و عدلِ باری تعالیٰ کے بیان میں ہے ۔ اس مثنوی کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرشتوں پر آدم کو فوقیت دے کر بڑے عدل کا ثبوت دیا ہے ۔ اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے :

حمد کیجے ایسے شاہنشاہ کی
جس نے مشتِ خاک رشکِ ماہ کی

اس میں تصوف کی اصطلاحیں حباب ، خم نیل گوں ، محیط ، بسیط وغیرہ استعمال کی گئی ہیں ۔ اشعار مترنم ، بے تکلف اور سبک رو ہیں ۔ کل اشعار ایک سو چار ہیں ۔

(۲) دوسری مثنوی کا موضوع نعت و معدلتِ سرور کائنات

(صلی اللہ علیہ وسلم) ہے ۔ اس میں ایک اعرابی کے رسول پاکؐ
کے بسترِ علالت پر آپؐ سے ان کی ایک زیادتی کا بدلہ لینے کے
بہانے آپؐ کی قمیص اتروا کر مُہرِ رسالت کو بوسہ دینے کا واقعہ
نظم کیا گیا ہے ۔ کل اشعار ایک سو تیرہ ہیں ، مطلع ہے :

ساقیا ! دے مجھے مئے گل رنگ
ہے مرے دل میں نعت کی آہنگ

(۳) تیسری مثنوی ہے "در بیان عدل محمد جلال الدین
اکبر شاہ ۔" واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص سونے کی مُہریں
توڑوں میں بند کر کے کسی کے پاس امانت رکھ گیا ۔ جب
واپس آیا تو توڑے بند تھے لیکن ان میں چاندی اور تانبے کے
سکتے تھے ۔ بادشاہ نے اپنی فراست سے ایک رفوگر کو تلاش
کیا جس نے اعتراف کیا کہ مہرے کھول کر رفو کیے گئے
تھے ۔ چناں چہ مقدمے کا فیصلہ فریادی کے حق میں ہو گیا ۔
مثنوی میں کل ۱۸۶ اشعار ہیں ۔ آغاز اس طرح ہوتا ہے :

پلا اے ساقیِ گلفام وہ جام
کہ جس سے بھول جاوے رنج و آلام

(۴) چوتھی مثنوی میں جہانگیر بادشاہ کے انصاف کا ایک
واقعہ ہے ؛ لاہور میں ایک شخص رہتا تھا جس کی بیوی بہت
خوب صورت تھی ۔ شہر کا سپہ سالار اس پر عاشق ہو گیا
اور اس کو ورغلانا چاہا ۔ عورت نے اپنے خاوند کو خبردار
کیا ۔ اس نے بادشاہ کو خبر دی ۔ بادشاہ نے کہا اب جب وہ
تمہارے گھر میں آئے ، مجھے خبردار کرنا ۔ ایک روز جب یہ
واردات ہوئی ، عورت کا خاوند بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا
جو اس عرصے میں لاہور میں ہی قیام پذیر تھے۔ بادشاہ نے موقع

پر پہنچ کر سپہ سالار کو سزا دی ۔ کل اشعار ۱۵۹ ہیں ، پہلا شعر یہ ہے :

مجھے ساقیا جامِ جم دے پلا
کہ لکھتا ہوں افسانہ میں اک نیا

(۵) پانچویں مثنوی شاہجہان بادشاہ سے متعلق ہے ؛ واقعہ یہ ہے کہ دو عورتیں ایک بچے کی ماں ہونے کا دعویٰ کرتی تھیں ۔ بادشاہ نے کہا بچہ کاٹ کر آدھا آدھا بانٹ دیا جائے ۔ اس پر اصل ماں رونے لگی اور دست بردار ہو گئی ۔ بادشاہ نے بچہ اُسی کو دیا اور جھوٹی کو سزا دی ۔ پہلا شعر یہ ہے :

ہے تو کہاں ساقیِ گل پیرہن
ابر ہے جھوما ہوا طرفِ چمن

(٦) چھٹی مثنوی اکبر شاہ کے زمانے کا ایک واقعہ پیش کرتی ہے ، اس کا مرکزی کردار مصنف یعنی محمود بیگ راحت خود ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ پھول والوں کے میلے میں جب بادشاہ مع درباریوں کے قطب صاحب میں خیمہ زن تھے اور راحت کا خیمہ بھی بادشاہ کے نزدیک ہی ایستادہ تھا ، ایک رات ایک خوبصورت عورت اندھیرے میں ان کے خیمے میں داخل ہوئی اور کہا کہ میں اپنے خیمے کا راستہ بھول گئی ہوں ، مجھے پہنچا دیجیے ۔ ملازموں نے اس کا خیمہ تلاش کیا ، نہ ملا ۔ کہا رات گزارو ، صبح پہنچا دیں گے ۔ راحت نے اس عورت کو بڑے احترام اور حفاظت سے رکھا ، کیوں کہ اس نے بتایا تھا کہ میں عالی خاندان ساہوکار کی بیٹی ہوں ۔ دوسرے روز اس کے ماں باپ نے یہ گمان کیا کہ وہ پاک دامن نہیں رہی

لہذا پہچاننے سے انکار کر دیا ۔ راحت نے بادشاہ کو اصل واقعہ سنایا ۔ بادشاہ نے لڑکی کو بیٹی بنا لیا ۔ چند روز بعد اس کے سسرال والوں نے درخواست کی تو بادشاہ نے اسے بیٹیوں کی طرح جہیز دے کر وداع کیا ۔ اس مثنوی میں اشعار کی تعداد ۱۸۳ ہے ۔

یہ مثنوی اس کتاب کا سب سے زور دار حصہ ہے ۔ راحت نے اس میں شاعری کے جوہر دکھائے ہیں ۔ خوب صورت استعارے اور مرقعے اسی میں ہیں اور جذباتی تجربے بھی اسی مثنوی میں نظر آتے ہیں ۔ لڑکی کا سراپا دیدنی ہے :

لعبتِ نور بتِ ہندِ نژاد
صورتِ حور بہشتی بنیاد

رنگِ عارض پہ قمر ہو مائل
ناصیہ دیکھ کے زہرہ ہو خجل

قامت و زلف کی باہم تکرار
سرو پر سنبلِ پیچاں کی بہار

ارغنوں لحن تھی صوتِ خلخال
کبک سن سن کے جسے بھولیں چال

رکھ کے خیمے میں قدم گھبرائی
دل میں سونچی کہاں کیوں آئی

آ کے گھبرائی وہ ایسی گل رو
چوکڑی بھول گیا بس آہو

(۷) ساتویں مثنوی میں نرندر سنگھ والیِ پٹیالہ کا ایک عدل بیان ہوا ہے ؛ ایک چور بھاگ گیا ، اپنی پگڑی کا ٹکڑا چھوڑ گیا ۔ تفتیش کرنے والے افسر نے کسی دوسرے شخص

کو ، جس کی پگڑی اسی طرح کی تھی ، پکڑ لیا ۔ مہاراجا نرندرسنگھ نے چور کی پگڑی کے تار گنے جو ماخوذ کی پگڑی سے مختلف تھے ۔ چنانچہ اسے چھوڑ دیا ۔

آغاز اس طرح ہے :

دے پیر مغاں مئے شبانہ
لکھتا ہوں میں اک نیا فسانہ

(کل اشعار ۸۵)

(۸) آٹھویں مثنوی مہاراجہ مہندر سنگھ والیِ پٹیالہ کے عدل سے متعلق ہے ۔ ایک شخص کی عورت بدکار تھی ، ایک دن اس نے عورت کو اپنے آشنا کے ساتھ پکڑ لیا ۔ چناں چہ غیرت میں آ کر عورت کو قتل کر دیا ۔ مقدمہ مہاراجہ کی عدالت میں پیش ہوا جس میں قاتل کو بری کر دیا گیا ۔

آغاز اس شعر سے ہوتا ہے :

ساقی آج تو خوب چھکا دے
خم کا خم ہی منہ سے لگا دے

اسی مثنوی میں راحت نے عرض مدعا کر کے مہاراجہ سے انعام کی التجا کی ہے ۔ (کل اشعار ۱۸۲)

۳

واسوختِ راحت کا مکمل متن "شعلۂ جوّالہ" میں موجود ہے اور وہیں سے حاصل کیا گیا ہے ۔ اس کے زمانۂ تصنیف کے بارے میں قطعی فیصلہ مشکل ہے ، البتہ اس قدر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جس زمانے میں یہ واسوخت لکھا گیا وہ راحت کے لیے سخت بے اطمینانی اور جذباتی اضطراب کا دور تھا اور ظاہر ہے یہ ۱۸۶۰ع کے بعد یعنی قیامِ پٹیالہ کا زمانہ

ہی ہو سکتا ہے۔ نا آسودہ خواہشات کا اظہار اور شکستہ انا کا ردِعمل اسی نظم میں نظر آتا ہے۔

گارسین دتاسی نے واسوختِ راحت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس (راحت) کا ایک مخمس ۱۸ بندوں کا 'اودھ اخبار' کے ۳۰ جون ۱۸۶۸ع کے شمارے میں شائع ہوا[1]۔"

دتاسی نے راحت کا نام محمود بیگ کی بجائے محمد بیگ لکھا ہے، جو غلط ہے۔[2] اسی طرح واسوخت کو، جو مسدس کی ہیئت میں ہے، مخمس لکھا ہے کیونکہ زیر تبصرہ واسوخت کے علاوہ راحت کی کوئی نظم مخمس کی شکل میں سوائے دتاسی کے کسی دوسری شہادت سے ہمارے علم میں نہیں آتی۔

تذکرہ "شعلۂ جوالہ" جس میں یہ واسوخت پہلی مرتبہ مکمل صورت میں شامل ہوا، ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ع میں مطبع نول کشور سے شائع ہوا۔ فدا علی عیش نے اس واسوخت پر مندرجہ ذیل نوٹ دیا ہے:

"راحت تخلص ہے مرزا محمود بیگ صاحب دہلوی کا۔ معلوم نہیں شاگرد کس کے ہیں، نہ اور حالات ان کے معلوم ہوئے۔ مگر اس واسوخت سے، جو اس مجموعے میں

۱۔ تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی (فرانسیسی زبان میں) صفحہ ۵۲۴۔

۲۔ دتاسی نے اردو کی ایک مثنوی 'نل و دمن' کو محمود بیگ راحت کی تصنیف بتایا ہے جو درست نہیں۔ یہ مثنوی بھگونت رائے راحت کی ہے جنھوں نے غنیمت کی مثنوی نیرنگ عشق کا بھی اردو ترجمہ نگارستان راحت کے نام سے کیا تھا۔ دتاسی کو اس سلسلے میں سہو ہوا ہے۔ (مرتب)

شامل کیا گیا ہے ، دریافت ہوتا ہے کہ کلام بہت متین
ہے اور شاعر خوش‌گو سخن وران خوش فکر سے ہیں[1] ۔"
ان دو حوالوں کی بنا پر گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ واسوخت
۱۸٦۸ع کے قریب تصنیف ہوا ہوگا ۔

راحت کا زیر مطالعہ واسوخت کل ٦٠ بندوں پر مشتمل ہے اور مسدس کی ہیئت میں ہے ۔ ہر دو اشعار کے بعد ایک تیسرا شعر ٹیپ کا ہے جو پہلے چار مصرعوں میں بیان کیے گئے مضمون کو تکمیلی صورت دیتا ہے ۔ راحت کے ہاں استعاروں کی کثرت نہیں ، بالکل سیدھا سادا اور بلا واسطہ اظہار ہے ۔ مضامین سلسلہ بسلسلہ آپس میں مربوط بھی ہو رہے ہیں اور خط مستقیم میں برابر آگے بھی بڑھ رہے ہیں ۔ وہ اگر ٹھہرے ہیں تو اس مقام پر جہاں محبوب کا سراپا بیان کرنا مقصود تھا ۔ اس جگہ فن پر قدرت راحت کے اس دعوے کا ثبوت ہے جو انھوں نے واسوخت کے مندرجہ ذیل شعر میں کیا ہے :

تجھ سوا اور سے چاہت کی بھی کھاتا ہوں قسم
مجھ سا شاعر بھی ملے گا کوئی اس دور میں کم

تشبیہوں اور سراپا کے متعلقات میں ایک فطری ربط اور جمالیاتی رشتہ نظر آتا ہے ۔ اس واسوخت میں سراپا کی دو مختلف تصویریں پیش کی گئی ہیں ۔ چودھویں بند سے جو سراپا شروع ہوتا ہے اس کے متعلقات کو یک جا کیجیے تو محبوب گوشت پوست کا ایسا وجود یا شخصیت نظر آئے گا جس سے آپ حواس خمسہ

---

۱ ۔ شعلہ' جوالہ (مجموعہ' واسوخت) صفحہ ۲۸۱ ۔

کے ذریعے قربت حاصل کر سکتے ہیں ، اس سے جمالیاتی اور محسوساتی دونوں قسم کے حظ اٹھا سکتے ہیں ۔ لیکن اٹھائیسویں بند کے بعد ایک دوسرا سراپا ہے ۔ اس سراپے کی تمام تشبیہیں مجرّد اور غیر محسوس ہیں ۔ گیسو ابر ہیں ، پیشانی ماہتاب ہے ، چشم فسوں ساز ہے ، مژگاں خوں ریز ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ اس سے شخصیت کی بجائے کیفیت وجود میں آتی ہے ۔ ان دونوں سراپاؤں میں ایک فن‌کارانہ تعلق یہ ہے کہ گوشت پوست کے محبوب (جو پہلے سراپے میں ہے) کو مرعوب کرنے کے لیے اس کے مد مقابل ایک مافوق الفطرت محبوب کا پیکر لانا زیادہ کامیاب حربہ ثابت ہو سکتا تھا ۔

راحت کے ہاں دلی" والا ہونے کا احساس اس کی تمام تحریروں میں موجود ہے ۔ نتائجُ المعانی میں بھی ، ہشت عدل میں بھی اور واسوخت میں بھی ۔ دہلوی تہذیب کے خوش‌گوار اور زندگی سے لبریز نقوش راحت کے ہاں نظر آتے ہیں ۔ عاشقوں کو محبوب کا فرمائشیں اور رسل و رسائل بھیجنا ملاحظہ فرمائیے :

ہم یہ سمجھے تھے یونہی ربط رہے گا باہم
ہوں گے فرمائشوں کے رسل و رسائل پیہم
خاصداں آدمی لاوے گا تمھارا ہردم
کنٹھے اور ٹوپیاں پہناؤ گے دے دے کے قسم
اپنے ہاتھوں میں نشانی مری تم رکھو گے
گنجفے میں بھی مرے نام کا خم رکھو گے

یہ تو اندرونِ خانہ کے قصے ہیں ، اب ایک دو منظر باہر کے بھی دیکھیے :

میلے ٹھیلے ہوں سدا اور سدا ہووے بہار
رتھمیں وہ بیٹھے ہوں اور گھوڑے پہ ہم ہوئیں سوار
چاک پردے سے ہمیں جھانکتے جاویں ہر بار
ہوں اشاروں میں وہ باتیں کہ نہ سمجھیں اغیار
دیکھ یہ ربطِ بہم سینہ ترا چھن جاوے
جی یہ چاہے کہ کسی طرح سے یہ من جاوے

بیٹھنا کب پسِ چلمن تمھیں یوں آتا تھا
جھانکنا تاکنا اس طرح سے کب بھاتا تھا
صورتِ غیر سے دل تیرا دھڑک جاتا تھا
پہروں بندہ تجھے باتوں ہی میں بھسلاتا تھا
بانکے دلی کے نہ اس طرح اڑے رہتے تھے
دیکھنے جلوۂ دلکش تو کھڑے رہتے تھے

واسوخت کی صنف کو جس تہذیب نے جنم دیا ، اسی نے حرم سرا سے داشتہ کے مکان کو الگ کیا اور ادب کا مقدر دیکھیے کہ اس کے حصے میں داشتہ کا مکان آیا ۔ پس واسوخت کی محبوبہ چار دیواری میں رہنے والی عورت نہیں "سوسائٹی گرل" ہے ۔ گویا وہ رنگارنگ پھولوں کا گلدستہ ہے جو آپ کی محفل کو سجا سکتا ہے ، آپ کے لیے ضیافت طبع کا سبب بن سکتا ہے لیکن آپ اس سے جذباتی ردعمل یا وفاداری کا تقاضا نہیں کر سکتے ۔

ایک بات اس واسوخت سے اور ظاہر ہوتی ہے کہ عشق بازی میں دہلی اور لکھنؤ کی تہذیب میں کوئی فرق نہیں ۔ وہاں بھی حرم سرا اور داشتہ کا مکان زندگی کے دو مختلف شعبے

ہیں اور یہاں بھی ۔ نتائجُ المعانی کی ایک حکایت میں راحت نے ایک سلاطین زادے کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

"ایک روز مرزا شاہ رخ سہین پور بہادر شاہ تجملِ خسروانہ سے قطب صاحب کو جاتے تھے ۔ راہ میں ایک "کس از قومِ سلاطین" اس صورت سے ملا کہ ایک تانگے پر گاڑی بان کی جگہ بیٹھا ہوا اور ان کی بیگم تانگے کے اندر پردۂ محمل سے جھانکتی ہوئی ، سیر دیکھتی ہوئی نظر آئی ۔ جب نزدیک سواری کے پہنچے ، تب صاحبِ عالم سے کہا : "بھائی صاحب ! اسلام علیکم !" صاحبِ عالم نے ابرو خم کر کے منہ پھیر لیا ۔ میں رکابِ سعادت میں موجود تھا ، میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ان سلاطینوں نے ہمارا نام خراب کر دیا ، بے حیا ہو گئے ، اپنے ساتھ ہم کو بھی رسوا کرتے ہیں ۔" (حکایت نمبر ۴۱)

اس اقتباس کو مد نظر رکھتے ہوئے راحت کے واسوخت کا عاشق دو نمایاں تہذیبی اور فکری سطحیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے ۔ یہ دونوں رویں دہلی میں بیک وقت موجود تھیں ۔

راحت کے ہاں مختلف جذباتی مواقع پر اظہار کا تنوع حیرت انگیز ہے ۔ رقابت ، غرور ، دوری اور قربت کے بیان میں ان کے لہجے میں تبدیلی کا احساس ہوتا ہے ۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ واسوخت میں محبوب سے تخاطب کا صیغہ یکساں نہیں؛ کسی جگہ 'تم' اور کسی موقع پر 'تو' کا استعمال ہے ۔ یہ لہجے اظہار میں جذبات کی مختلف صورتیں ظاہر کرتے ہیں ۔

مجلسِ ترقیِ ادب لاہور

۲۷ فروری ۱۹۶۸ع

گوہر نوشاہی

مثنوی

ہشت عدل

مع

واسوخت

★

مصنّفہ

محمود بیگ راحت

مرتّبہ

گوہر نوشاہی
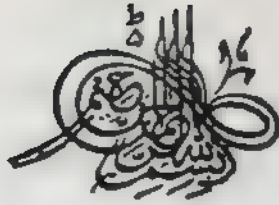
حمد کیجے ایسے شاہنشاہ کی
جس نے مشتِ خاک رشکِ ماہ کی
لعبتِ خاکی کو وہ رتبہ دیا
سجدہ آدم کو فرشتوں نے کیا
عقل اور ادراک اور وہم و تمیز
صورت و سیرت ، سخن ، ایک ایک چیز
ایسی ایسی دی ہے مشتِ خاک کو
پاک کیسا کر دیا ناپاک کو
ابلہی سے اپنی یہ ناحق شناس
ہو گیا پابندِ غفلت ، بد حواس
ہے فلک کیا ایک خمِ نیل گوں
اور دنیا اک طلسمِ پُرفسوں
ہے حباب آسا یہ عمرِ بے ثبات
کر چکا میں لو یہ ذکرِ کائنات
ہے وہ شاہنشاہ ہر اک جا محیط
باسط اس کی ذات ہے سب پر بسیط
ایک شب مجھ کو ہوا الہام یہ
لے خدا کا نام ، کر تو کام یہ
مثنوی کی آٹھ بحریں ہیں تمام
ہے جداگانہ ہر اک کا ان میں نام

نظم کر آٹھوں میں راحت آٹھ عدل
دیکھ پھر ہوتا ہے کیسا تجھ پہ فضل

ناگہاں دل میں جو آیا یہ خیال
میں نے لکھّا پہلے عدلِ ذوالجلال

عدل سنیے اس جنابِ پاک کا
آگ سے رتبہ بڑھایا خاک کا

آدمِ خاکی کو جب پیدا کیا
حکم سجدے کا ملائک کو دیا

سب فرشتوں نے جھکایا اپنا سر
اس جگہ سے ہٹ گیا شیطاں مگر

اس پہ حکمِ کبریا نازل ہوا
سجدہ آدم کو نہ کیوں تو نے کیا

کر کے یہ حیلہ دیا اس نے جواب
میں فرشتوں میں ہوں سب سے انتخاب

تو نے آتش سے بنایا ہے مجھے
خاک سے آدم ، نہیں زیبا تجھے

اس طرح سے حکم دیوے برملا
سجدہ آدم کو کرو سب سر جھکا

مجھ سا اعلیٰ ایسے اسفل کی طرف
سرجھکاوے ، کیوں! ہےاس میں کیاشرف؟

خاکِ تیرہ مجھ سے کچھ فائق نہیں
تجھ سوا سجدے کے یہ لائق نہیں

کی جو گستاخی سے اس نے گفتگو
لعنت اس کے ہو گئی طوقِ گلو

اور بھی آدم کا یہ دشمن ہوا
جا کے جنت میں خلل افگن ہوا
یہ حکایت گر کروں ساری بیاں
مختصر ہووے نہ میری داستاں
حضرت آدمؑ کا جنت تھا مقام
اس نے بہکا کر لیا یہ انتقام
اس کے بہکانے سے آئے ہم یہاں
ہائے چھوٹا کیا ہے جنت سا مکاں
اس کو اپنی نخوتِ تدبیر تھی
اس پہ ہستی خواہشِ تقدیر تھی
جب ہوا آدم کا دنیا میں مقام
پھر ہوا آمادہ بہرِ انتقام
دشمنِ آدم ازل سے ہے لعیں
دل میں رکھتا ہے سدا سے بغض و کیں
ہر طرح سے ہم کو کرتا ہے خراب
روز و شب دیتا ہے ترغیبِ عذاب
ہے سکھاتا شرک و کفر و بغض و کیں
دام میں اپنے پھنساتا ہے لعیں
رات دن سو سو طرح کر کے فریب
راہ بہکاتا ہے یہ سوئے نشیب
حشر میں جب ہوگا وقتِ عدل و داد
یہ بھی آوے گا لعینِ بد نہاد
یہ کرے گا عرض ہو کر داد خواہ
عدل میرا پہلے کر اے بادشاہ

جانتا ہوں ہے مرا دوزخ مقام
میرے بندے ساتھ میرے کر تمام
حکم ہووے گا اسے اے بد زباں
کون سے بندے ہیں تیرے کر بیاں
پھر یہ گستاخی سے بولے گا لعیں
ہیں یہ سب بندے مرے ، تیرے نہیں
میرا دعویٰ یہ ہے اے ربِ جلیل
اور یہ ہے میرے دعوے کی دلیل
تو نے دنیا میں انہیں پیدا کیا
اپنی رحمت سے انہیں کیا کیا دیا
چشمِ بینا دی انہیں ، گویا زباں
وہ زباں جس سے ہوئے شیریں بیاں
نعمتیں دیں ان کو لاکھوں بے شمار
قدرتیں کیں اپنی ان پر آشکار
ان پہ کیں نازل کتابیں اور رسولؑ
حکم تیرا تا کریں دل سے قبول
یہ نہ سمجھے تیرے کچھ فرمان کو
جھوٹ بتلایا ترے قرآن کو
اور رسولوں سے کیے جنگ و جدال
روز و شب ان سے رہا ان کو قتال
میں نے خط بھیجا نہ کوئی ، نے رسول
وسوسہ کرتے رہے میرا قبول
وسوسے پر میرے ان کا تھا عمل
ڈالتے تھے تیرے حکموں میں خلل

کچھ سمجھتے تھے نہ یہ ایمان کو
توڑتے تھے عہد اور پیماں کو
میرے بندے تھے تو یہ کرتے تھے کام
مجھ کو دے ان کو برائے انتقام
ساتھ ان کو اپنے لے جاؤں گا میں
داغ آدم کو یہ دے جاؤں گا میں
حکم یہ ہووے گا نازل اے شقی !
تو ہے محشر میں ہمارا مدّعی
ہے یہ دن موضوع بہرِ عدل و داد
اپنا تو انصاف لے او بدنہاد !
جو کہ تھے دنیا میں عادل بادشاہ
تھی عدالت کی یہ ان میں رسم و راہ
تھا مقرّر قاضی ہر اک شہر میں
معدلت سے روشنی تھی دہر میں
ظلم گر کرتا کسی پر شہریار
پاس قاضی کے وہ جاتا دل فگار
تھا یہ منصب قاضیوں کو آشکار
کرتے یہ منسوخ حکمِ شہریار
جس کسی سے شاہ کچھ پیچش کرے
شاہ پر جا کر وہاں نالش کرے
تھا زبس انصاف سے یہ حکم عام
قاضی اس نالش کو سنتے تھے تمام
آج یہ ہی حکم ہم جاری کریں
فیصلہ یہ قاضیوں پر ہم دھریں

عالمانِ علمِ شرعِ مصطفیؐ
فیصلہ کرتے ہیں دیکھیں اس کا کیا

جو کہ ہیں دینِ محمدؐ کے امام
جن کے فتوے پر شریعت ہے تمام

ان کو ہووے گا یہ حکمِ کبریا
فیصلہ اس کا کرو تم بے ریا

کر کے پھر عرصات میں منبر نصب
قاضیوں کو ان پہ بٹھلاوے گا رب

محکمے میں آ کے ابلیسِ لعیں
یوں کرے گا اپنا ظاہر بغض و کیں

یہ بنی آدم جو نافرمان ہیں
ان پہ یہ اللہ کے احسان ہیں

اصل ہے ان سب کی اک ناپاک خاک
صورتیں ان کی بنائیں کیسی پاک

چشمِ بینا دی انھیں ، گویا زبان
اور دیا رہنے کو جنت سا مکان

بہرِ دستور العمل بھیجی کتاب
روز و شب کرتے رہیں کارِ صواب

ہوتے گر اللہ کے بندے تمام
حکم پر مالک کے کرتے اپنے کام

میرے کہنے پر عمل کرتے رہے
دم مرا ہر بات میں بھرتے رہے

رات دن کرتے رہے فسق و فجور
کفر سے تھے سب یہ پابندِ غرور

حکم ان لوگوں نے کیا مانا نہیں
نام بھی اللہ کا جانا نہیں

اس سبب سے ہیں مرے بندے یہ سب
چاہیے ہمراہ میرے ہوویں اب

اپنے دعوے کی بیاں کر کے دلیل
ہوگا دامن گیر سب کا یہ ذلیل

مفتیانِ شرعِ دیں دیں گے جواب
خوب ہم واقف ہیں از روے کتاب

تیرا دعویٰ ہے یہ باطل بے فروغ
تو نے جو تقریر کی ، سب ہے دروغ

صف بصف اللہ کے بندے ہیں سب
مالکِ کون و مکاں ہے ان کا رب

تیرے دعوے پر کیا ہم نے خیال
تیری اور ان کی بس ایسی ہے مثال

ہو کسی کے پاس تھوڑی سی زمیں
دوسرا رکھتا ہو اس سے بغض و کیں

اس کے مالک کو سفر درپیش ہو
منتظر اس کا وہ بد اندیش ہو

ہووے جانے کی اسے اس کے خبر
اس زمیں کو داب لے وہ فتنہ گر

کر کے قبضہ اس میں کچھ کھیتی کرے
یا حویلی کی بنا اس پر دھرے

اس میں آوے مالک اس کا ناگہاں
اور کرے دارالقضا میں یہ بیاں

ہم یہ دیں گے حکم اس کو برملا
اس زمیں سے اپنا تو عملہ اٹھا

جو کچھ اس میں ہووے تیرا اپنا لے
اور زمینِ صاف اس کی اس کو دے

بندۂ اللہ تھے سب پاک صاف
جانتے تھے کچھ نہ یہ لاف و گذاف

تو نے دی ہے ان کو ترغیبِ گناہ
شرک و بدعت میں کیا تو نے تباہ

جو عمل ہیں تیرے لے جا او لعیں !
تجھ کو ان بندوں سے کچھ دعویٰ نہیں

دامنِ تر سے اٹھا تو ان کے ہاتھ
بارِ عصیاں ان کے لے جا اپنے ساتھ

تجھ کو کیا اس بات سے اے نابکار
اپنے بندوں کا خدا کو اختیار

ہو گا نازل پھر یہ حکمِ کبریا
ہم کو ہے منظور جو تم نے کیا

فیصلہ جو کچھ کیا تعمیل ہو
اور اس تعمیل میں تعجیل ہو

پھر تو وہ بارِ گناہِ خاص و عام
گردنِ شیطاں پہ رکھیں گے تمام

خازنِ دوزخ چمک کر آئیں گے
جانب دوزخ اسے لے جائیں گے

شرک سے اور کفر سے ہوویں گے صاف
جرم ان کے ہوں گے دم بھر میں معاف

شکر کا ہے اے محبّو ! یہ مقام
جرم ہوں ایسے اور ایسا انتقام

میں جو کرتا ہوں گناہوں کا شمار
دیکھتا ہوں بحرِ نا پیدا کنار

عہدِ پیری میں تمنائے شباب
وہ ہی عصیاں کا ہے اب تک ارتکاب

وسوسہ افگن ہے ابلیسِ لعیں
توبہ عصیاں سے کروں ، ممکن نہیں

دیکھیے دو دن میں کیا انجام ہو
وقت پر پھر دیکھیے کیا کام ہو

یا الٰہی ہو دعا میری قبول
ورد ہووے حمد یا نعتِ رسولؐ

کلمۂ طیّب زباں پر ہو رواں
یاد ہو تیری دمِ نزع رواں

مثلِ اختر حشر میں تابندہ ہوں
تیرے نیکوں میں نہ میں شرمندہ ہوں

نامۂ اعمال ہووے گر سیاہ
پنجتن کی ہو مگر مجھ کو پناہ

رنج میں مت ہو تو **راحت** مبتلا
لکھ بدل تو بحر عدلِ مصطفیٰؐ

(۲)

در بیان نعت و معدلتِ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

ساقیا ! دے مجھے مئے گل رنگ
ہے مرے دل میں نعت کی آہنگ
دے مگر ایسی مے جو ہووے حلال
ساغرِ مے ہو رشکِ روئے ہلال
نشہ سے دل میں ایسی آئے ترنگ
شاخِ سدرہ پہ ہو مری آہنگ
نظم ایسا کروں میں راز نہاں
عقل کل آ کے چومے میری زباں
لکھوں میں عدل سیّدِ لولاکؐ
عرش پر میری اُڑ کے پہنچے خاک
وہ رسولِ کریمؐ ، فخرِ جہاں
کعبۂ دین و قبلۂ ایماں
احمدِ مصطفیٰؐ رسولِ کریمؐ
نور جس کا چراغِ عرشِ عظیم
بندۂ ذوالجلال عرش مکاں
جبرئیل اس کے در کا اک درباں
برق اس کے براق کی اک گرد
نام سے اس کے ہووے دوزخ سرد
قامتِ دلکش اس کا نور سرشت
رنگ و بو زینتِ بہارِ بہشت
چوب دار اس کا موسیٰ عمراں
نصب اس کا درِ حرم پہ نشاں

جب ملائک نے اس کا نام پڑھا
میم احمدؐ دیا احد میں ملا

طرۂ تاجِ حمد میم ہوا
خلوتِ خاص کا ندیم ہوا

نور تھا ایک ذاتِ واحد کا
نام روشن تھا جب محمدؐ کا

جب ہوا خلق عرشِ ربِ جلیل
یہ ہوا نورِ عرش کی قندیل

خاکِ آدم کا تھا ہنوز خمیر
آپؐ پڑھتے تھے عرش پر تکبیر

باعثِ امرِ "کن" ہے ذات ان کی
عفوِ جرمِ جہاں صفات ان کی

جس کا اللہ[۱] خود ثنا گر ہو
اس کا مدّاح کیا سخن ور ہو

عدل میں ہے مگر مجھے تقریر
عدل کرتا ہوں ایک میں تحریر

عدل کا بھی بیاں نہیں ہوتا
راز پنہاں عیاں نہیں ہوتا

عدل جب ان کا میں بیان کروں
عقلِ اوّل کو میہمان کروں

مہد میں دلق عدل کا سیتے
شیرِ پستانِ راست کا پیتے

---

۱ - اصل : کے (تصحیح قیاسی کی گئی ہے - مرتّب)

شیر پستانِ چنب کبھی نہ پیا
تھا رضاعی جو بھائی اس کو دیا

جس کا یہ عدل ہو رضاعت میں
ہو سخن اس کی کیا عدالت میں

سیکڑوں عدل ان کے ہیں مشہور
سر بسر عدل تھے وہ لعبتِ نور

ہاں سنو ایک عدل کی تقریر
ہے روایت یہ اس طرح تحریر

جب کہ آئے قریب یومِ وفات
زیبِ منبر ہوئے ستودہ صفات

جمع مسجد میں سب کیے احباب
کی وصیّت ہر اِک کو کر کے خطاب

حمد کے بعد کی نصیحت و پند
پھر کہا سب ہیں موت کے پابند

موت کے واسطے ہیں سب ذی روح
اٹھ گئے اس جہاں سے آدم؏ و نوح؏

میں بھی ہوتا ہوں اب جدا تم سے
رہے راضی سدا خدا تم سے

رکھیو قائم ہمیشہ صوم و صلواۃ
ہو جو صاحب نصاب دیوے زکواۃ

رکھو شیطاں سے دل میں بغض و عناد
کیجو کفّار پر مدام جہاد

میں تمھیں سونپتا ہوں اب دو چیز
اس امانت کو میری رکھیو عزیز

ایک قرآں ہے ، دوسری ہے آل
چھوڑنے کا نہ کیجو ان کے خیال

دین و دنیا میں پیشِ ربِ جلیل
یہ رہیں گی سدا تمھاری کفیل

سرورِ دوجہاں سے سن کے بیاں
ہوئے اصحاب سارے گرمِ فغاں

پھر دیا حکم یہ کہ جائے بلالؓ
کرے اہلِ مدینہ سے یہ سوال

جس کو دعویٰ ہو کچھ پیمبرؐ پر
فیصلہ کر لے آج وہ آ کر

جس کو دعویٰ ہو کچھ وہ آ کے کہے
حشر پر پھر معاملہ نہ رہے

دی ندا یہ بلالؓ نے اک بار
ایّہا الناس اعلموا فی الدار

سرورِ انبیاؑ رسولِ کریمؐ
جس کے نعلین فخرِ عرشِ عظیم

مجلسِ ذکر و حمد واحد میں
یاد کرتے ہیں سب کو مسجد میں

اور یہ بھی ہے حکم ، سب اک بار
دیکھ لیں میرا آخری دیدار

اور دعویٰ ہو جس کو کچھ مجھ پر
فیصلہ کر لے آج وہ آ کر

جو کچھ ہووے سو ہو یہیں تقریر
حشر میں ہو نہ میرا دامن گیر

پڑ گئی شہر میں جب اس کی دھوم
آئے اہلِ مدینہ کر کے ہجوم
آ کے حضرتؐ کے سب ہوئے پابوس
نہ رہا شہر میں یہود و مجوس
جب ہوا ایسا اژدہامِ عوام
آپؐ نے سب کو یہ دیا احکام
مجھ کو دنیا میں اب نہیں فرصت
یارو! ہوتا ہوں تم سے میں رخصت
ایک مجھ پر مگر کرو احسان
جس کو دعویٰ ہو کچھ کرے وہ بیان
کوئی حجّت نہ اس میں باقی ہو
ہو سکے تو یہیں تلافی ہو
تھا اک عکاسہ نام اعرابی
خوب واقف تھے اس سے اصحابی
عرض کی اس نے اے رسولؐ خدا
تم نے روزِ وغا مجھے مارا
بے سبب تم نے مجھ کو مارا کیوں
حکم ہووے تو اس کا بدلا لوں
سن کے حضرتؐ نے یہ کیا ارشاد
تو نے مجھ کو کیا نہایت شاد
اب تو اس کا قصاص ہے آساں
سخت دشوار تھا جو ہوتا وہاں
مجھ کو تو راضی نامہ اپنا دے
اپنے چابک کا مجھ سے بدلا لے

پھر کہا یہ "بلالؓ جلدی جائے
گھر سے زہراؓ کے میرا چابک لائے"
سارے اصحاب دیکھ کر یہ حال
ہو گئے پائے بندِ رنج و ملال
دیدۂ تر سے اشکِ غم تھے رواں
چرخ تھرّا گیا تھا سن کے فغاں
درِ زہرہؓ پہ با دلِ مضطر
دی ندا یہ بلالؓ نے جا کر
حال کر کے بیان سب یاں کا
کہا چابک نبیؐ نے ہے مانگا
ہو گئیں سن کے فاطمہؓ بے تاب
لائیں چابک بہ دیدۂ پُر آب
اپنے بچّوں کو رو کے فرمایا
دیکھو کس نے کیا ہے یہ دعویٰ
ہے اگرچہ تمھارا سِن تھوڑا
جاؤ لیکن یہ لے کے تم کوڑا
یہ کہو مدعیِ اظلم سے
لے نبیؐ کا قصاص تو ہم سے
آئے مسجد میں دونوں سروِ رواں
دیکھا مسجد میں سب کو گرمِ فغاں
پہلے جا کر کیا نبیؐ کو سلام
پھر کیا متّفق یہ اس سے کلام
ہے نبیؐ کو بخار شدت سے
مبتلائے مرض ہیں مدت سے

نہیں باقی بدن میں تاب و تواں
ایک دو دن کے اور ہیں مہماں

تجھ کو مطلب قصاص سے ہے اگر
ہم بھی گویا ہیں جانِ پیغمبرؐ

گرچہ فرزند ہم علیؓ کے ہیں
جان اور جسم پر نبیؐ کے ہیں

ہے ہمارا نبیؐ کا ایک بدن
ایک ہیں جسم و جان پانچوں تن

تو قصاص اپنا آج ہم سے لے
پر یہ تکلیف تو نبیؐ کو نہ دے

ایک کے بدلے چار چار لگا
پر نبیؐ پر نہ اپنا ہاتھ اٹھا

وہ یہ بولا کہ آپ کے قربان
میرے ماں باپ اور میری جان

نہ تمہارا ، نہ اور حیدرؓ کا
مجھ کو چابک لگا پیمبر کا

تم سے لینا قصاص ہے بے جا
حکم تم پر نہیں شریعت کا

سن کے یہ بادشاہِ دین پناہ
اترے منبر سے کہہ کے الا اللہ

آئے نزدیک اس کے اس سے کہا
لے یہ چابک ، بدن پہ میرے لگا

شہِ کونین کا یہ سن کے کلام
پڑ گیا خاص و عام میں کہرام

اس نے کی عرض یا رسولؐ خدا
پیرہن تھا مرے بدن سے جدا
آپؐ بھی دیں قمیص اپنی اُتار
ورنہ سارا قصاص ہے بے کار
کھولا سرورؐ نے اپنا بندِ قبا
شور محشر کا قبضِ رُوح ہوا
فوج تھی گرد اشک باروں کی
ہچکیاں لگ گئیں تھیں یاروں کی
شور و افغاں کے سن کے آوازے
کھل گئے آسماں کے دروازے
حکم کرّوبیوں کو یہ پہنچا
دیکھو انصاف سب محمدؐ کا
میرا یہ ناتوان اور بیمار
کس طرح ہے قصاص پر تیّار
تھے ملائک بھی دیکھ کر حیراں
عرش و کرسی تلک تھی گرمِ فغاں
یک زباں تھے سبھی بصد اوصاف
اس کو کہتے ہیں عدل اور انصاف
کی فرشتوں نے عرض، ربِ جلیل!
تو ہوا تھا نگاہبانِ خلیل[۴]
تو نے آتش سے دی تھی اُس کو پناہ
رکھیو اس وقت تو نبیؐ کو نگاہ
واں اُتارا نبیؐ نے پیراہن
نور سے ہو گیا جہاں روشن

چمکی مُہرِ نبوت حضرتؐ کی
تھی زیارت خدا کی قدرت کی

پرتو افگن ہؤا وہ لمعۂ نور
جس سے روشن تھی بزمِ خلوتِ طور

محوِ نظارہ ہو گئے احباب
نور میں غرق ہو گئے اصحاب

خاص وہ مدّعیِ دعویٰ خواہ
پاؤں پر گر پڑا بحالِ تباہ

عرض کی اس نے یا نبیِ کریمؐ
مجھ سے صادر ہوا گناہِ عظیم

آرزو تھی مجھے زیارت کی
دیکھوں مُہرِ نبوت حضرت کی

اس لیے تھا یہ دعویٔ باطل
کہ زیارت ہو مُہر کی حاصل

کامل ایمان آج میں لایا
مدّعا دل کا میں نے اب پایا

بے ادب یہ ہؤا ہے بخت سیاہ
بہرِ اللہ عفو کیجے گناہ

عذر اس کا کیا نبیؐ نے قبول
کہا راضی ہے تجھ سے تیرا رسولؐ

جرم میں نے ترا معاف کیا
تیری جانب سے دل کو صاف کیا

دستِ رحمت سے اس کے سر کو اٹھا
واسطے اس کے کی خدا سے دعا

جرمِ مستقبل اس کے اور ماضی
بخش یا رب! کہ میں ہوا راضی

مژدہ اے عاشقانِ نامِ رسولؐ
عذر جب اس طرح کا ہووے قبول

ہے یقیں یہ کہ ساری امت کو
بخشوا لے گا وہ قیامت کو

ہوویں کیسے ہی گو غریقِ گناہ
اس کی کافی ہے اک کرم کی نگاہ

پر یہ لازم ہے سب کو، اس پہ مدام
بھیجنا چاہیے درود و سلام

تُو گنہگار ہے بہت **راحت**
روز و شب چاہیے تجھے عادت

آشکارا ہو یا کہ ہووے نہاں
ہو درود اس کا تیرے وردِ زباں

۳

دربیانِ عدلِ محمد جلال‌الدین اکبر شاہ بادشاہ غازی انارالله برہانہ

پلا اے ساقیِ گلفام وہ جام
کہ جس سے بھول جاوے رنجِ ایام

لکھوں میں نشے میں ایسی روایت
سرور افزائے عالم ہو حکایت

سنا ہے جب جلال الدین اکبر
ہوا تختِ پدر پر جلوہ گستر

نہایت صغرِ سن تھا اور بے ہوش
مگر تھا دولت و اقبال کا جوش

اسی ایّام میں اک مردِ تاجر
تجارت کو ہوا ناگہ مسافر

مگر مُہروں کے بھر کر سات توڑے
امانت اک مہاجن پاس چھوڑے

لگا کر تھیلیوں کے مُہر منہ پر
روانہ وہ ہؤا اسباب لے کر

پسِ مدت تجارت سے جب آیا
تجارت کا بہت اسباب لایا

گیا پھر اس مہاجن پاس شاداں
بیاں اس سے کیا سب رازِ پنہاں

ہؤا تھا اس کو جو نفعِ تجارت
پڑا جو خرچ اور جو کچھ تھی لاگت

سنائی کیفیت پہلے تو سب کی
امانت اس سے پھر اپنی طلب کی

امانت اپنی جب وہ گھر میں لایا
تو قائم اپنی سب مُہروں کو پایا

تسلی سے جو اک تھیلی کو کھولا
ہؤا کچھ اور ہی دل کو ملولا

کہاں وہ قرصِ زر اس میں دھرے تھے
بجائے قرصِ زر پیسے بھرے تھے

وفورِ درد و غم سے یہ دل افگار
لگا سر پیٹنے با چشمِ خوں بار

گیا روتا ہوا اس کی دوکاں پر
کہا اس سے کیا کیا او ستم‌گر؟

مہاجن ہو کے کی تو نے خیانت
بدل لی اس طرح تو نے امانت

یہ سن کر وہ ہوا لڑنے کو تیار
لگی ہونے بہم دونوں کی تکرار

ہوئے دونوں بہم دست و گریباں
ہوا بازار میں اک شور و افغاں

ہوئے بنیے فراہم اس طرح سے
ہجوم زاغ ہووے جس طرح سے

تھے بنیے بسکہ یکتائی میں پُر فن
چڑیلوں کی طرح چمٹے مہاجن

یہ بے چارہ تھا تاجر ایک تنہا
قیامت اس پہ کی بنیوں نے برپا

ہوئی جب اس طرح تکرار باہم
چلے لڑتے سرِ بازار باہم

کہا میرِ عسس سے جا کے احوال
کہ یوں اس نے چرایا میرا سب مال

کہا بنیے نے جھوٹا ہے یہ مکار
کرے انصاف میرا سن کے سرکار

امانت دار تھا میں تھیلیوں کا
نہیں معلوم مجھ کو اس میں کیا تھا

مجھے تھیں مُہر کر کے تھیلیاں دیں
انھی مُہروں سے اپنی تھیلیاں لیں

کہیں سے مُہر ٹوٹی یا پھٹی ہو
تو لے سرکار مجھ سے ایک کے دو
اگر پرکھا کے مجھ کو اس نے دیں ہوں
و یا میں نے پرکھ کر اس سے لیں ہوں
قسم کھا کر یہاں یہ دیوے اظہار
نہیں ہے مجھ کو کچھ دینے میں تکرار
امانت کی اگر ہو گنہ گاری
تو حاضر ہے دکاں اس وقت ساری
منگا کر تھیلیاں دیکھیں عسس نے
تو تھے چسپیدہ سب مُہروں سے کسنے
گرہ سب تھیلیوں پر تھی برابر
اور اس پر مُہرِ سوداگر سراسر
کہا شحنہ نے تو دیتا ہے تہمت
مہاجن پر نہیں ثابت خیانت
گیا قاضی کے گھر مایوس ہو کر
ملا واں بھی جواب اس کو مکرر
گیا دستورِ اعظم پاس لاچار
ہوا جھوٹا وہاں بھی آخرِ کار
نہ بن آئی جو کچھ ، پھر ہو کے مایوس
ہؤا یہ بادشہ کا جا کے پابوس
کہی رو رو کے سب اپنی حقیقت
پڑی ہے اس طرح مجھ پر مصیبت
گئی اس طرح دولت ، یوں ہوا خوار
مرا انصاف کر تو اے شہریار !

یہاں کا غور سے اب سنیے احوال
کہ حضرت تھے سدا ہم بزمِ اطفال

نہ تھا فرماں دہی سے کام ان کو
نہ تھا معلوم صبح و شام ان کو

شکار و سیر میں دن رات رہنا
امورِ سلطنت میں کچھ نہ کہنا

امورِ سلطنت سے تھے یہ بے غم
جو کچھ چاہے کرے دستورِ اعظم

فغاں نے اس کی کی دل پر جو تاثیر
لگے کچھ سوچنے دل میں یہ تدبیر

دیا یہ حکم اس کو دل میں کر غور
کہ ہے اس وقت میں کچھ طور بے طور

مگر رکھنا تو اپنی جمع خاطر
رہا کر تُو ہمارے پاس حاضر

قدم میں تخت پر جس دم دھروں گا
ترا انصاف میں پہلے کروں گا

ہوا بارہ برس کا جب شہنشاہ
لگا اجلاس کرنے غیرتِ ماہ

بندھا معمول یہ ہنگامِ دربار
لگے سننے عرائض اور اخبار

دیا فرّاش کو یہ حکم اک روز
کہ ہووے عید کا دن یا کہ نوروز

نہ بدلا کر ہماری مسندِ تخت
اجازت ہے مگر تبدیل ہو رخت

خلافِ حکم گر اُلٹا ہے کونا
تو اپنی جان سے تو ہاتھ دھونا
سنا فرّاش نے جب حکمِ سلطاں
ہوا دل میں بہت اپنے پریشاں
کہا بیرام خاں سے جا کے سب حال
کہ یوں نازل ہوا فرمانِ اجلال
ہوا بیرام خاں بھی سن کے حیراں
کہ ہے اس حکم میں کیا راز پنہاں
دیا یہ حکم اس نے آخرِ کار
کہا مسند نہ بدلو تم بھی زنہار
دیا ہے حکم گر تم کو یہ شہ نے
تو دو تم بھی اسی طرح سے رہنے
پڑی اس دن سے فرّاشوں میں یہ راہ
نہ بدلیں بے اجازت مسندِ شاہ
مہینے اس میں گزرے جب کہ دوچار
تو اک دن بادشہ نے وقتِ دربار
بسانِ چشمِ غمّازانِ بےباک
دیے چاکو سے مسند میں کئی چاک
کیا ایسے ہنر سے شہ نے یہ کار
ہوا آگہ نہ کوئی اہلِ دربار
ہوئے دربار سے برخواست جب شاہ
پڑی فرّاش کی آنکھ اس پہ ناگاہ
ہوا یہ دل میں اپنے دیکھ کر دنگ
اڑا چہرے کا اس کے طائرِ رنگ

لگا کرنے یہ اپنے دل سے تقریر
کہ اب اس چاک کی کیا کیجے تدبیر
کہا دل نے کہ یہ مسند رفو ہو
رفو گر کی شتابی جستجو ہو
گیا مسند اٹھا کر سوئے بازار
ملا دے کوئی اس کا تار سے تار
جو اس پیشے کے تھے استادِ کامل
کہا اس نے کوئی ہے مرد قابل ؟
ملا دیوے ہنر سے تار سے تار
کرے احسان سے مجھ کو گراں بار
رفوگر ایک تھا ان سب کا استاد
کہا اس نے رفو ہے میرا ایجاد
کروں ایسا رفو ، جائیں گے سب بھول
ملا دوں گا میں اس کا پھول سے پھول
رفو میرا اگر پہچان لیجو
تو مزدوری کی اک کوڑی نہ دیجو
رفو ایسا کروں ، رکھے گا تو یاد
مگر تو مجھ کو ، میں تجھ کو کروں شاد
یہ کہہ کر اس نے مسند اس سے لے لی
اور اس نے شام کے وعدے پہ دے دی
گیا فرّاش وعدے پر سرِ شام
تو کیا دیکھا ، کیا ہے سحر کا کام
ملایا تار سے تار اس نے ایسا
بُنا تھا اس کو بافندے نے جیسا

بہت دیکھا نگاہِ تیزبیں سے
نشاں پایا نہ ٹانکے کا کہیں سے

ہوا حیران اس صنعت پہ فرّاش
چلا، کرتا ہوا تحسین و شاباش

نہایت اپنے دل میں ہو کے مسرور
بچھا دی آ کے وہ مسند بدستور

ہوا جب دوسرے دن وقتِ دربار
آسی مسند پہ بیٹھا شاہِ بیدار

نظر کی دامنِ مسند پہ ہر جا
نشانِ چاکِ مسند کچھ نہ پایا

جبینِ شہ پہ غصے سے پڑا بل
ہوا فرّاش بخوفِ جاں سے بے کل

کہا شہ نے اُسے "تُو یہ تو بتلا
خلافِ حکم کیوں مسند کو بدلا ؟"

وہ بولا کانپ کر "کیا میری طاقت
جو بدلوں مسندِ شہ بے اجازت

مگر مجھ سے ہوئی ہے اتنی تقصیر
نہیں تقصیر وہ شایانِ تعذیر

کئی جا سے جو مسند چاک پائی
رفو کروا کے میں نے ہے بچھائی

مناسب میں نے یہ اُس وقت جانا
کہ بہتر ہے رفو اس میں بنانا"

رفو کا نام سن کر ہو کے برہم
کہا باور کریں کس طرح سے ہم

رفو گر کو یہاں جلدی بلاؤ
کہاں ہے وہ رفو، ہم کو بتاؤ
گئے اہلِ تزک ہو کر فراہم
رفو گر کو پکڑ لائے اسی دم
رفوگر نے کیا اقبال آ کے
کہا "میں نے سیا ہے یہ ملا کے"
ہوا یہ حکم شہ کا اس پہ نازل
کہ یہ ہے ہاتھ کٹوانے کے قابل
ہم اس کو کل مقرّر دیں گے تعزیر
مگر اس وقت ہووے پا بہ زنجیر
رہائی سے ہو اس کو قطعِ امید
رہے یہ گرز برداروں میں یاں قید
اسے جب لے گئے کر کے گرفتار
کیا برخاست شہ نے اپنا دربار
نہ تھے واقف جو اس رازِ نہاں سے
شکایت سب نے کی بیرام خاں سے
ہنسا بیرام خاں سن کر شکایت
ہر اک سے یہ لگا کرنے حکایت
اگر ہیں بادشہ کے یہ ہی انصاف
تو اک دن دیکھنا مطلع ہوا صاف
زہے انصاف و حسنِ رائے و تدبیر
رفوگر نے بھلا کیا کی ہے تقصیر
مگر میں صبح دم خود جا کے دربار
چھڑا دوں گا اسے کہہ سن کے اک بار

یہاں بیرام خاں نے کی جو تقریر
کیا پرچہ نگاروں نے وہ تحریر
نظر سے شاہ کی گزری وہ اخبار
کہ ہے دستورِ اعظم کی یہ گفتار
نہیں اسرارِ سلطانی سے آگاہ
نہاں بدخواہ، ظاہر میں ہواخواہ
زباں پر اپنے ہو کر تنگ لائے
خدا جانے سحر کیا رنگ لائے
چھپا خورشید اور آخر ہؤا روز
ہوئی شب شش جہت میں بزم افروز
ہٹا کر خسروِ عادل نے سب کو
رفوگر کو بلایا پاس شب کو
کیا خلوت میں اس سے شہ نے ارشاد
کوئی ہے اور بھی اس فن کا استاد ؟
کیا یہ عرض اس نے اے جہاندار !
نہیں ہے کوئی مجھ سا واقفِ کار
کہا بتلا ہمیں سچ اے ہنرور !
رفو کس نے کیا ان تھیلیوں پر
وہ بولا چاہیے جو دیجے تعذیر
ہوئی ہے مجھ سے بے شک یہ تو تقصیر
یہ سنتے ہی ہوا اکبر کا دل شاد
کیا اس خوں گرفتہ کو یہ ارشاد
تو اپنے جا کے بستر پر کر آرام
تجھے ہم دیں گے خلعت اور انعام

پریشاں حال سوداگر تھا کب سے
رہا جاتا تھا یہ انصاف سب سے
دیا اس واسطے ہم نے تجھے رنج
کہ وہ انصاف کو پہنچے بلا سنج
اسے رخصت کیا ، لیکن جہاں دار
رہا مانندِ چشمِ بخت بیدار
ہوئی جب صبح اور سلطانِ خاور
ہؤا تختِ فلک پر جلوہ آور
شہنشہ نے دیا پہلے یہ احکام
کہ ہوویں آج حاضر خاص اور عام
دیا پھر حکم شہ نے ، جا کے ناظر
کرے بیرام خاں کو جلد حاضر
ہؤا آراستہ جب شہ کا دربار
ہؤا اورنگ آراء وہ جہاندار
تھی واجب جس طرح شاہانہ تعظیم
جھکے ارکانِ دولت بہرِ تسلیم
قرینے سے ، ادب سے ، کر کے آداب
ہؤا دستورِ اعظم بھی شرف یاب
مناسب وقت کی کچھ کر کے تاخیر
لگا دستورِ اعظم کرنے تقریر
سنا ہے میں نے کل سے اک رفوگر
ہؤا بے جرم مجرم ، بندہ پرور !
نہیں ظاہر میں ہے کچھ اس کی تقصیر
اگر ارشاد ہو کٹ جائے زنجیر

کیا یہ شہ نے اس کے حق میں ارشاد
کہ ہوگا وہ بھی بندِ غم سے آزاد

مگر اک عمر گزری ہے ، یہ تاجر
ہمارے سامنے رہتا ہے حاضر

کرو تم آج پہلے اس کا انصاف
کہ مشہورِ جہاں ہوویں یہ اوصاف

کہا بیرام خاں نے ہو کے مضطر
کہ جھوٹا ہے یہ سوداگر سراسر

خیانت کی اُسے دیتا ہے تہمت
اسے وہ دے چکا اس کی امانت

کہا شہ نے یہاں بلواؤ اس کو
ہمارے سامنے تو لاؤ اس کو

ذرا ہم بھی تو سن لیں اس کی تقریر
سمجھ لیں کس کی ہے دونوں میں تقصیر

اسی دم چوب دارانِ[1] شہنشاہ
دکاں سے کھینچتے لائے سرِ راہ

یہاں دربار میں سب تھے فراہم
عسس اور قاضی اور دستورِ اعظم

مہاجن کو وہاں شہ نے بلایا
اسے شیریں زبانی سے سنایا

---

۱ - اصل : چوبدران نے شہنشاہ - 'نے' کا لفظ مصرع موزوں کرنے کے لیے حذف کر دیا گیا (مرتب) -

بشر ہے ، گر ہوئی تجھ سے خیانت
مری خاطر سے دے اس کی امانت
نہ کر افشا تو اپنا رازِ پنہاں
بہت مدت سے تاجر ہے پریشاں
چمک کر بولا وہ بقّالِ جاہل
کرو انصاف سے تم مجھ کو قائل
مجھے دی تھیں مقرّر تھیلیاں سات
لگایا تک نہیں میں نے انھیں ہاتھ
ہر اک تھیلی تھی اس کی مُہر سے بند
میں سمجھاتا رہا تھا اس کو ہرچند
کہ کیا ہے تھیلیوں میں مجھ کو دکھلا
اگر مُہریں ہیں تو دے ان کو پرکھا
مرے کہنے کو کچھ اس نے نہ مانا
فریب اس کا یہ میں نے بھی نہ جانا
مجھے بہتان دیتا ہے یہ مکّار
ہؤا میں تھیلیاں رکھ کر گنہگار
ہے صرّافے میں ساری دھاک میری
دساور میں ہے ہر جا ساک میری
اگر کرتا پھروں ایسے خیانت
تو رکھے کون لاکھوں کی امانت
ہے عدلِ بادشاہ سے مجھ کو امید
کہ ہوگا اس سزا میں آج یہ قید
سُن اس کا عذرِ بے جا شاہِ والا
ہؤا غصے ، مگر غصے کو ٹالا

کہا آن تھیلیوں کو یاں تو لاؤ
ہمیں بھی تو ذرا ان کو دکھاؤ
وہ آئیں تھیلیاں دربار میں سب
مہاجن سے کہا یہ شاہ نے تب
اگر ثابت ہوئی تجھ پر خیانت
تو کیا تجھ کو سزا دیوے عدالت؟
مہاجن نے کہا ارّے میں چرواؤ
زن و بچہ مرا کولھو میں پڑواؤ
مرا گھر بار ہووے ضبط سرکار
سرِ دربار میں کرتا ہوں اقرار
مچلکہ شہ نے فرمایا کہ لکھ دے
مگر لکھ ہاتھ سے اپنے، قلم لے
یہ بنیے ہوتے ہیں اس فن میں چالاک
مچلکہ لکھ دیا بے خوف و بے باک
کسی کی بات کافر نے نہ مانی
مچلکہ لکھ کے اس پر کی نشانی
ہؤا فرمانِ شہ نازل یہ اک بار
رفوگر ہے جو وہ کل سے گرفتار
ذرا یہ تھیلیاں اس کو دکھاؤ
حقیقت ساری یہ اس کو سناؤ
رفوگر کا مہاجن نے سنا نام
بسانِ بید تھرّایا بدانجام
رفوگر نے کہا آ کر جہاندار!
ہے افشا تھیلیوں کا مجھ پہ اسرار

ٹکے مُہروں کے بدلے ان میں بھر کر
رفو میں نے کیا ہے تھیلیوں پر
کیا تھا چاک ان کو دیکھو یاں سے
میں ہوں آگاہ اس رازِ نہاں سے
گیا تھا میں جب اس کے گھر شہنشاہ!
فلانا برہمن تھا میرے ہمراہ
بلایا اس کو جب کر کے گرفتار
کیا گنگا جلے سے اس نے اقرار
ٹکے اس نے بھرے ، مُہریں نکالیں
جہاں رکھیں تھیں لے جا کر بتا دیں
ہوئی ثابت جب اس پر یہ خیانت
لگے تھرّانے اربابِ دیانت
ہوا بیرام خاں بھی دیکھ حیراں
گرا آغوش سے اس کی قلم داں
اراکینِ قدیمی ہو کے ششدر
جھکے سجدے میں سب روے زمیں پر
ہوئے رائے ملک پر آفریں خواں
وکیلانِ بخارا و خراساں
لگے کہنے نہیں ہے یہ عدالت
اسے اعجاز سمجھیں یا کرامت
امیروں سے ملک نے کی یہ تقریر
کہ جو شایاں ہو تم دو اس کو تعذیر
نہ سمجھے کوئی اپنے دل میں گمراہ
کہ ہے مصروفِ بازی روز و شب شاہ

ہے یہ فرمان دہی ہم کو خدا داد
نہیں شایاں ہے ہم کو ظلم و بیداد
نہیں وہ بادشاہ جو ہووے غافل
ہے غفلت تیرگیِ عقل و عاقل
رعیّت ہے خدا کی اک امانت
نہیں لازم امانت میں خیانت
خیانت ملک کی ہے ظلم و بیداد
رعیّت ظلم سے ہوتی نہیں شاد
رعیّت کا رہے سلطاں نگہباں
رعیّت کی کرے مشکل کو آساں
رعیت شاہِ عادل کا ہے لشکر
رعیت ہے شکوہِ تاج و افسر
ہو میرے باپ کے تم سب نمک خوار
کرو سب مل کے باہم کارِ سرکار
ہے یہ لازم دیانت سے کرو کام
امورِ سلطنت کو دو سب انجام
نہیں ہے مقتضاے عمرِ سرکار
کہ تم سب کا اٹھاوے بوجھ اک بار
بھلا دیکھو تو بے چارہ یہ تاجر
رہا مدت تلک آشفتہ خاطر
تامّل کر کے تم کرتے اگر غور
تو یہ بنیا نہ کرتا اس پہ یہ جور
بھلا اب خیر، جو گزرا سو گزرا
جو گزرا اس کا اب مذکور ہے کیا

کرو آئندہ سب مل جل کے وہ کام
کہ ہر اک ملک میں ہووے مرا نام

یہ سمجھا کر ملک نے بے کم و کاست
کیا دربارِ سلطانی کو برخاست

عدالت سے ہوا یہ اس کا انجام
کہ قائم اب تلک اکبر کا ہے نام

ہے اب تک اکبری آئین مشہور
اسے ہیں مانتے خاقان و فغفور

نہ کر راحت زیادہ اور تقریر
بدل کر بحر لکھ عدلِ جہانگیر

۴

ذکرِ عدالتِ نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی نوراللہ مرقدہ

مجھے ساقیا جامِ جم دے پلا
کہ لکھتا ہوں افسانہ میں اک نیا

لکھوں میں جہانگیر کی داستاں
عجائب غرائب ہے اس کا بیاں

ہؤا جب جہانگیر ان کا لقب
طبیعت نہایت تھی عشرت طلب

مئے ناب اور ساقیِ گل عذار
صراحی و مطرب لبِ جوئبار

لبوں پر سدا ساغرِ لعل فام
شب و روز تھا بادہ خواری سے کام

بڑھائی تھی کثرت سے اتنی شراب
کہ آتا نہ تھا بزم میں نامِ آب

لبِ جام ہوتا نہ لب سے جدا
رہا یوں ہی سرشار مردِ خدا

تھا موقوف سب اہل کاروں پہ کام
تھے ارکانِ دولت مدار المہام

مگر تھے اراکین سب خیر خواہ
بہم یک دل و جاں تھی ساری سپاہ

تھے زر بخش ایسے امیر و وزیر
نہ تھا عہد میں اس کے کوئی فقیر

رعیّت رعایت سے تھی شاد شاد
فسانہ بھی غم کا نہ رکھتی تھی یاد

یہ تھا ایک قانون ایجادِ شاہ
کہ تا ہو ستم سے نہ کوئی تباہ

اگرا مست تھا لیکن ہشیار شاہ
سدا خوابِ غفلت میں بیدار تھا

شہنشہ کی آرام گہ تھی جہاں
تھا آویختہ اک درائے کلاں

رسی اس کی رکھی تھی ایسی دراز
کہ زلفِ بتاں پر وہ رکھتی تھی ناز

درا سقف میں اور رسن زیرِ بام
وہ زلفِ رسا تھی لٹکتی مدام

یہ تھا حکمِ سلطانِ عالی تبار[2]
کہ جس شخص کو خاص ہو مجھ سے کار

---

۱ - بمعنی اگرچہ - ۲ اصل : تیار

بلاوے رسن آ کے وہ بے ہراس
جو مطلب ہو اس کا کہے میرے پاس

اسی وقت پہنچوں گا فریاد کو
کروں گا میں دل شاد ناشاد کو

تھی لاہور میں ایک آتش عذار
بتِ سیم تن ، فتنہ گر ، سحر کار

مگر وہ بتِ چین جادو نگاہ
نہایت تھی پاک اور عفّت[1] پناہ

عسس شہر کا اس پہ عاشق ہوا
گرفتار اس کا وہ فاسق ہوا

اسے وصل کا اس نے بھیجا پیام
کیا پختہ اس نے یہ سودائے خام

ہوئی سن کے آشفتہ وہ پاک ذات
سنی بھی نہ دلّالہ کی اس نے بات

عسس کو دیا جا کے اس نے جواب
کہ ہوتے ہو کیوں اس کے پیچھے خراب

نہیں ڈھب پہ چڑھنے کی ہرگز شریر
نہیں بیٹھنا اس نشانے پہ تیر

عسس نے کہا کچھ تو تدبیر کر
نئی طرز کی اور تقریر کر

---

۱ - اصل : عقب -

ہیں جادو سے افزوں ترے توڑ جوڑ
ستارہ فلک سے تو لاتی ہے توڑ
گئی پھر یہ دلالہ اُس بت کے پاس
بنائے ہوئے اپنا چہرہ اُداس
کہا اُس سے تُو جانتی ہے بؤا
کہ ہے حاکمِ وقت شیدا ہؤا
زر و مال تو چاہیے اُتنا لے
ولیکن مرادِ دلی اس کو دے
وگرنہ مجھے ڈر ہے اس بات کا
کہیں گرمیِ عشق سے تیش کھا
نہ پہنچائے شوہر کو تیرے گزند
کرے بے گنہ کو نہ وہ زیر بند
پھنسے قید خانے میں وہ بے گناہ
ترے واسطے ہووے ناحق تباہ
کرے پھر تو اقرار لاچار ہو
نہ یہ ناز ہو اور نہ انکار ہو
یہ سن کر کہا اس نے اے ہم نشیں
میں کہنے سے تیرے تو باہر نہیں
مگر خوف ہے مجھ کو اس بات کا
کہ رسوا نہ ہوں شہر میں میں بؤا
فرومایہ میں ، اور وہ ارجمند
کنیزیں بھی ہیں مجھ سے ان کی دوچند
بھلا مجھ پہ کیوں ان کا آوے گا دل
مجھے کر نہ بیٹھے بٹھائے خجل

سمجھ میں مری بات آتی نہیں
کہیں جھوٹ تو تُو بتاتی نہیں

مرے دل کو تو دیکھتی ہے مگر
بتا تو سہی مجھ کو او فتنہ گر!

کبھی یہ کیا کام میں نے نہیں
نہیں میں نے دل کو لگایا کہیں

مجھے دل لگی کی نہیں کچھ خبر
دھڑکتا ہے دہشت سے میرا جگر

نشانی کوئی ان کی لا دے مجھے
ذرا دور سے تو دکھا دے مجھے

جو سچ ہے مجھے آنکھ سے تو دکھا
وگر جھوٹ ہے تو نہ باتیں بنا

ہوں ناچیز پر دل میں مغرور ہوں
مگر نام سے ان کے مجبور ہوں

لیا آن کر تو نے ایسے کا نام
کہ کرنا پڑا جان و دل سے یہ کام

مگر میری عزت ہے اب تیرے ہاتھ
کسی پر نہ کھل جائے یہ میری بات

یہ کہہ کر جتائے نشیب و فراز
کیا اس کو رخصت بناز و نیاز

نہایت گئی یاں سے وہ شاد شاد
کہ پوری ہوئی اب تو دل کی مراد

عسس سے کہا لاؤ انعام دو
ہوئی زیر فرمان وہ تند خو

کیا لائق انعام کے میں نے کام
کہ عنقا کو لائی ہوں میں زیرِ دام

پری پر کیا سحر نے میرے کار
لیا میں نے شیشے میں اس کو اتار

مگر مجھ کو کہتی تھی وہ دلربا
نشانی کوئی ہاتھ سے ان کے لا

نشانی کوئی اپنی دلوائیے
کوئی چیز تحفہ سی بھجوائیے

سنا یہ جو اس نے سخن دلفریب
عسس سے[1] گیا دل کا صبر و شکیب

اسی وقت سونے کا زیور منگا
دیا اس فسوں ساز کو ، دے کے آ

یہ لے کر گئی زیور اس گل کے گھر
کہیں آ گیا اس کا شوہر ادھر

یہ کرنے نہ پائی تھی کچھ اس سے بات
کہ قدرت سے یہ ہوگئی واردات

پھری واں سے مایوس یہ فتنہ ساز
کہ افشا نہ ہو جائے یہ اس پہ راز

مگر اس کے شوہر نے دیکھ اس کی چال
کیا اپنی زوجہ سے تفتیشِ حال

---

۱ - کے ؟

کہ یہ فتنہ سازِ زمین آسماں
ترے پاس آئی تھی کیونکر یہاں ؟

بیاں اس نے کی اس سے سب گفتگو
کہ ہے اب عسس درپئے[۱] آبرو

اگر تجھ سے کچھ ہو تو تدبیر کر
وگرنہ مجھے زیرِ شمشیر کر

کہا اس کے شوہر نے اے میری جاں
ترے بعد پھر میرا جینا کہاں

بھلا مجھ سے ہوتا ہے کب ایسا کام
ترے بعد جینا ہے مجھ پر حرام

ہلاتا ہوں گھنٹا[۱] مگر جا کے میں
سناتا ہوں تجھ کو خبر آ کے میں

سراسیمہ روتا ہوا زار زار
چلا جانبِ درگہِ شہریار

گرفتارِ درد و غم و رنج و یاس
یہ پہنچا اسی دم جھروکے کے پاس

ہلائی رسن[۲] اس نے کر کے فغاں
کہ ہو شاہ پر رازِ پنہاں عیاں

دلِ شہ پہ تاثیر کی آہ نے
بلایا اسی دم اسے شاہ نے

---

۱ - اصل : کہنا -
۲ - مراد ہے زنجیرِ عدل -

سنی غور سے اس کی سب داستاں
کہا اب زیادہ نہ کر تو فغاں
تو جا اپنے گھر اور کر انتظار
اگر گھر ترے آئے وہ نابکار
ہراس اپنے جی میں نہ کچھ لائیو
درِ شاہ پر دوڑتا آئیو
درِ شہ پہ ہوگا کھڑا اک سوار
ذرا اس سے کہہ دیجیو ایک بار
ہے تفویض میں اس کی یہ انتظام
کرے گا وہ انجام سب تیرا کام
پھرا حکمِ شہ سن کے یہ تو ادھر
عسس کو اسی دم یہ پہنچی خبر
ہلایا ہے شوہر نے اس کے جرس[1]
ہوا بادشاہ اس کا فریاد رس
عسس اپنے دل میں پریشاں ہوا
کہ مشکل مرا کارِ آساں ہوا
دیا ٹال اس دن سے اس بات کو
لگا ڈھونڈنے وقت اور گھات کو
کسی طرح پڑ جائے اس بت پہ ہاتھ
اگر جائے سر، پر نہ جائے یہ بات
گئے چھ مہینے جب اس پر گزر
لگا ایک شب گھات پر آن کر

---

۱ - مراد ہے زنجیرِ عدل -

نہایت تھی اک رات ٹھنڈی ہوا
فلک پر بھی تھا ابر چھایا ہوا

محیطِ فلک تھا جو ابرِ بہار
برستی تھی کچھ ننھی ننھی پھوار

عسس نے کہا وقت بس آج ہے
یہ شب مے پرستوں کی معراج ہے

شہنشاہ تو آج پی کر شراب
محل میں کہیں ہوں گے سرمستِ خواب

ہوئے چھ مہینے ہیں اس بات کو
کھڑے ہیں کہاں شاہ اب رات کو

یہ ابر اور ہوا اور یہ جوشِ طرب
سرِ بزمِ مے ساقیِ غنچہ لب

کہاں چھوڑ کر شاہ آرام کو
کھڑے آج ہوویں گے اس کام کو

تو چل اور ہوس دل کی اپنی نکال
تجھے بیمِ شہ کا ہے ناحق خیال

عسس کے جو سر پر قضا آگئی
تو بیٹھے بٹھائے یہی چھا گئی

اسی دم کمر باندھ تیّار ہو
چلا گشت کو شہر کی زشت خو

ذرا روند پھر کر ادھر اور اُدھر
ہلائی یہاں آ کے زنجیرِ در

ہوئی آگہی لعبتِ ناز کو
تھی پہچانتی اس کی آواز

دیا جلد شوہر کو گھر سے نکال
کہ جا کر کرے اپنا کچھ عرضِ حال
دیے کھول پھر آ کے گھر کے کواڑ
بٹھایا اسے گھر میں کچھ کر کے آڑ
وہ مستِ مئے عشق تھا تندخو
لگا کرنے آتے ہی یہ گفتگو
کہاں ہے ترا شوہر اُس کو بلا
میں پوچھوں گا اس وقت اُس سے ذرا
کہ او فتنہ پرداز! ناحق شناس!
گیا تھا تو کس واسطے شاہ پاس؟
لیا تو نے انعام کیا شاہ سے
کہا تو نے تو کیا ہوا شاہ سے
کہاں تیرے بد بخت ایسے نصیب
کہ ہو تیرے گھر یہ مہِ دل فریب
ہمارا بھی دل اس پہ ہو مبتلا
ذرا غور کر یہ کیا تو نے کیا
زر و مال مطلوب ہو جس قدر
تو لے حسبِ دلخواہ او بد گہر
میں آیا کروں گا یہاں گاہ گاہ
نہ ہو میرے آنے کا وہ سنگِ راہ
دیا نازنیں نے یہ اس کو جواب
ہمیشہ وہ رہتا ہے مست و خراب
مجھے رات دن ہے اسی کا ملال
کہ سب گھر مرا لوٹتا ہے کلال

سرِ شام سے ہے وہ نکلا ہؤا
نشے میں کہیں ہوگا اوندھا ہؤا

کیا تم نے مجھ پر نہایت کرم
مری چشم و سر پر تمھارے قدم

نہایت مرے دل کو تھا اضطراب
کہ آوے گا کس طرح آنکھوں میں خواب

مگر تم کو بھیجا خدا نے یہاں
اب آئی ذرا جان میں میری جاں

تمھاری تو مجھ پر عنایت ہوئی
مگر تم سے مجھ کو خجالت ہوئی

سزاوارِ عشرت نہیں یہ مکاں
میں حیراں ہوں تم کو بٹھاؤں کہاں

چھپر کھٹ نہ یاں اور نہ یاں ہے پلنگ
یہ ٹوٹا سا ہے بوریا یا چھلنگ

کروں گی مگر کل سے کچھ بندوبست
بناؤں گی میں کوئی جائے نشست

ہوئی آج تکلیف بے شک یہاں
میں کر لوں گی آراستہ کل مکاں

عسس خوش ہوا سن کے یہ گفتگو
لگا کرنے مطلب کی کچھ جستجو

نہایت تھی چالاک وہ نازنیں
لگی کہنے یہ اس سے وہ مہ جبیں

میسر اگر یار سے ہو وصال
تو ہوں حسرتیں دل کی سب پائمال

تکلف کو اپنے کنارے دھرو
ذرا بیٹھ کر دو دو باتیں کرو

نہ فرمائیے اپنی تیزی کو کام
ذرا بیٹھیے نچلے ، کیجے کلام

یہ بندی بھی بے بادۂ لعل فام
سمجھتی ہے یہ کام مطلق حرام

چلیں ایک دو دورِ جامِ شراب
کہ جل کر رقیبوں کا دل ہو کباب

نشے میں ہو باہم دوبالا سرور
نہیں آج سے کل تو پھر کیا ہے دور

مکاں بھی کروں گی میں آراستہ
سبھی کام ہو حسبِ دل خواستہ

غرض چکنی چپڑی یہ باتیں بنا
لیا اپنی باتوں سے اس کو لبھا

ادھر اس کا شوہر بسان صبا
درِ شاہ پر جا کے حاضر ہوا

درِ شاہ پر اس نے دیکھا سوار
کہ کرتا ہے اس کی کھڑا انتظار

کیا اس نے پورا نہ اس سے بیاں
جو اس نے کہا چل ہو آگے رواں

مجھے اپنا گھر چل کے جلدی بتا
تری راہ تکتا ہوں کب سے کھڑا

وہ لایا اسے اپنے جب گھر کے پاس
بتایا اشارے سے ہو بے ہراس

ملا اپنے گھوڑے کو دیوار سے
جدا وہ ہوا اپنے رہوار سے
نہ دروازہ پوچھا ، نہ کچھ اس کی راہ
گیا کود کر گھر میں صاحب کلاہ
عسس دل میں سمجھا کہ کود آیا چور
اٹھا بزمِ خلوت سے یہ کر کے شور
ادھر شاہ نے تیغۂ آب‌دار
دیا اس کے سر پر ، گرا نابکار
دیا گرتے گرتے کے اک اور ہات
زباں پر بھی آنے نہ دی اس کی بات
تڑپنے لگا وہ لعیں خاک پر
وہیں رہ گیا دست و پا مار کر
دیا حکم عورت کو کھول اپنا گھر
بلا اپنے شوہر کو ، آوے ادھر
بلا اس کے شوہر کو اور ہاتھ ڈال
دیے دو روپے جیب میں سے نکال
کہا اپنے کمّل کی قیمت یہ لے
یہ کمّل جو سر پر ہے تو ہم کو دے
اسی اپنے کمّل کو اس جا بچھا
اور اس لاش کو باندھ کر تو اٹھا
یہ سن اس نے اپنا بچھایا گلیم
اور اس میں کسی اس کی لاشِ لئیم
اسے باندھ کمّل میں اور سر پہ دھر
چلا آگے آگے یہ بارِ دگر

وہ جب کوتوالی کے پہنچے قریب
کہا رکھ کے جا اپنے گھر اے حبیب

اسے قتل کر کے شہِ سرفراز
جھکا سجدۂ شکر میں با نیاز

ادا کر کے پھر شکرِ پروردگار
کہا تو نے توفیق دی کردگار!

وگرنہ یہ مجھ سے مشقّت کہاں
کہ ہوں چھ مہینے تلک یوں دواں

درِ قلعہ پر یوں کروں انتظار
کہ تا حسبِ وعدہ نہ ہو دل فگار

ہوئی یہ خبر سب کو وقتِ سحر
کہ شحنہ ہوا قتل اس طور پر

لگے کانپنے سب امیر و وزیر
ہوئے شاد سب اپنے گھر گھر فقیر

کہ یہ شاہ اور اس کا یہ عدل و داد
خدایا! تو رکھ اس کو آباد و شاد

کہ ادنٰی سے اک آدمی کے لیے
کھڑا چھ مہینے رہا دل دیے

جہاں میں ہوئے ایسے کم شہریار
کہ یوں ہوں رعیّت پہ اپنی نثار

کریں ترک یوں اپنے آرام کو
رعیّت کے انجام دیں کام کو

ہمارے مہاراج[1]، فیروز بخت
رہے قائم ان کا سدا تاج و تخت!

ابد تک رہے ملک زیرِ نگیں!
رعیّت نوازی میں کچھ کم نہیں

اگر ہووے ان کو کسی کی خبر
کہ اس طرح سے ہے یہ خستہ جگر

اسی دم بلاوے اسے شہریار
کرے حسبِ دل خواہ مطلب برار

الٰہی جہاں اس سے آباد ہو
ہوا خواہِ دولت کا دل شاد ہو

بدل کر لکھوں بحر اک داستاں
کہ ہو جس میں کچھ ذکرِ شاہِ جہاں

۵

درِ بیان معدلتِ خلد مکان شاہ جہاں و اخلاقِ خاقان گوید

ہے تو کہاں ساقیِ گل پیرہن
ابر ہے جھومتا ہؤا طرفِ چمن

بھر کے پلا آج تو رطلِ گراں
تجھ سے کہوں قصّۂ شاہِ جہاں

تھا وہ شہنشاہ رعیّت نواز
دل میں تھا اک طرح کا سوز و گداز

شرع کا پابند تھا یہ تاجور
حکمِ خدا پر تھی ہمیشہ نظر

---

۱ - مراد ہے مہاراجہ مہندر سنگھ والیِ پٹیالہ۔

فقہ کے احکام پہ چلتا مدام
کرتے تھے حکام شریعت پہ کام
اپنا ریاضت پہ تھا وجہِ کفاف
وہ بھی شریعت کے نہ ہووے خلاف
ایک پہر کرتا ریاضت مدام
تاکہ میسر ہو اس سے قوتِ شام
ہوتی ریاضت کی نہ فرصت اگر[۲]
فاقہ کیا کرتا تھا یہ تاجور
شام سے یہ باندھ کر شب کو کمر
پھرتا رعیّت میں سدا گھر بہ گھر
کوئی نہ فاقے سے رہے شہر میں
روزِ جزا میں نہ پھنسوں قہر میں
جو کوئی مفلس نظر آتا اسے
رحم اسے دیکھ کر آتا اسے
ایک شب اک جا ہؤا ناگاہ گزر
دیکھتا کیا ہے یہ وہاں تاجور
کرتی ہیں دو سوکنیں باہم جدال
دونوں کا فرزند پہ ہے قیل و قال
ایک تو بچہ ہے، یہ دو دعویدار
دونوں کا ہے دست و زباں پر مدار
مشت و لگد ہونے لگی ہم دگر
پہنچ گئی شحنہ کو آخر خبر

---

۲ - اصل : آ کر۔

دیکھ کے یہ سیر ، شہِ ظلم کاہ
آیا مگر جانبِ آرام گاہ

وقتِ سحر جو ہوا دربارِ عام
آکے عسس نے کیا شہ کو سلام

عرض یہ کی اے شہِ عالم پناہ
دوست ترے شاد ہوں ، دشمن تباہ

رات کو اس طرح سے دو بیوہ زن
ہم دگر آئیں ہیں خصومت فگن

دونوں میں ہے اک پسرِ شیرخوار
دونوں ہیں بچے کے لیے بے قرار

شِیر بھی ہے دونوں کے پستان میں
قدرتِ رزاق ہے ہر شان میں

دونوں سے آپراتا[1] نہیں وہ پسر
دونوں کا ہے ایک وہ لختِ جگر

کوئی ولادت کا نہیں ہے گواہ
فیصلہ ہوتا نہیں دونوں کا، شاہ !

شہ نے کہا ان کو بلاؤ یہاں
ہم بھی سنیں ان کی زبانی بیاں

پردے سے تھیں بسکہ وہ باہر ہوئیں
دونوں وہ دربار میں حاضر ہوئیں

آکے کیا وہ ہی انھوں نے بیاں
دونوں ہوئیں بچے کی خواہش کناں

---

[1] مراد ہے اجنبیت محسوس نہیں کرتا۔

ایک یہ بولی کہ ہے میرا پسر
میرا ہے زائیدہ یہ نورِ بصر
دوسری کہنے لگی کر کے فغاں
جھوٹی ہے ، میرا ہے یہ آرامِ جاں
سنتے تھے اس قصے کو برنا و پیر
عالمِ حیرت میں تھے سارے امیر
رائے کسی کی بھی نہ کرتی تھی کام
ہووے کسی طرح یہ قصہ تمام
شہ نے دیا حکم یہ انجام کو
چاہیے اس بچے کے ٹکڑے ہوں دو
ایک اِسے ، ایک اُسے دیجیے
فیصلہ اس قصے کا یوں کیجیے
سب نے یہ کی عرض مناسب ہے یہ
پہنچیں گی انصاف کو ، غالب ہے یہ
دوڑ کے جلّاد بھی حاضر ہوا
دوسرے احکام کا ناظر ہوا
ایک تو ان میں سے ہوئی شاد کام
دوسری واں بیٹھ گئی دل کو تھام
عرض یہ کی اس نے کہ عالم پناہ
قتل بھلا ہوتا ہے کیوں بے گناہ
ٹکڑے ہوا جاتا ہے میرا تو دل
دعویٔ باطل سے ہوں میں منفعل
قتل مجھے اس کے عوض کیجیے
اور یہ فرزند اسے دیجیے

مرگ سے ہر چند کہ چارا نہیں
قتل مجھے اس کا گوارا نہیں

دعویٔ باطل تھا مرا بے فروغ
مجھ کو مگر ہووے سزائے دروغ

سب نے کہا اس سے کہ اے بے خبر
حکم ہے یہ حکمِ قضا و قدر

ہونا جو تقدیر میں تھا ہو چکا
تیری یہ آغوش میں بس سو چکا

ہوتا ہے دم بھر میں اشارہ اسے
کرتا ہے جلاد دو پارہ اسے

سنتے ہی اس بات کے اک بھر کے آہ
ہوگئی بے ہوش بحالِ تباہ

آیا جو یہ اس کو محبت کا جوش
محفلِ شاہی میں ہوا اک خروش

سب نے یہ کی عرض کہ اے تاجور
ہے یہ اسی بیوہ کا لختِ جگر

شاہ کو بھی دیکھ کے آیا یقین
کھل گیا سب عقدۂ پرخاش و کیں

چھین کے مکّارہ سے فرزند کو
اس کی دیا گود میں دل بند کو

دیکھ کے آغوش میں اپنا پسر
ہوش میں پھر آئی وہ بارِ دگر

لطف و کرم سے اسے رخصت کیا
اس کو شہنشہ نے سیاست کیا

کیا ہی یہ انصاف کیا بے گواہ
ظلِ خدا ہوتے ہیں ہاں بادشاہ

کہتا تھا ہرمز کو انوشیرواں
ہے یہ وصیت دمِ نزعِ رواں

رکھو رعیّت کے دلوں کو نگاہ
وقت پہ ہوتی ہے رعیّت سپاہ

لیجیو درویشوں کی ہردم خبر
دیجیو محتاجوں کو تو مال و زر

چاہیے ، ہو شاہ رعیّت نواز
دوست سے دشمن کو کرے امتیاز

دوست وہ ہے شہ کا جو ہو خیرخواہ
حفظِ خزاین پہ ہو ہردم نگاہ

ہووے خدا ترس جو ہو اہلکار
کار[۲] نہ دے اس کو جو ہو نابکار

ہو نہ وہ صحبت میں جو ہو تندخو
دور ہی بہتر ہے جو ہو زشت رو

رازِ نہاں اپنا نہ دیجو کبھی
دیکھیو یہ کام نہ کیجو کبھی

شکر خدا ، اپنے مہاراج کو
دل سے ہنرور کی ہے اک جستجو

ہووے سدا ان کا ترقی پہ راج
جو کہ مصاحب ہیں وہ ہیں خوش مزاج

---

۲ - کار بمعنی خدمت (مرتّب)

رنج نہ کر راحتِ خستہ جگر
جب ہو مہاراج کو تیرے خبر
ہووے گا اک دم میں یہ غم پائمال
غم کا ہے ناحق تجھے راحت خیال
دوسری اک بحر میں لکھ مثنوی
حالِ دل اپنا نہ بیان کر ابھی

(٦)

در بیانِ معدلتِ معین الدین اکبر شاہ بادشاہ غازی ثانی

جلوہ پھر اپنا دکھادے ساقی
لا کوئی جام جو ہووے باقی
ایسا گل رنگ پیالا ہووے
پیتے ہی نشہ دوبالا ہووے
قصہ میں اپنی جوانی کا لکھوں
عدل اک اکبرِ ثانی کا لکھوں
نظم کرتا ہوں کہانی اپنی
آ گئی یاد جوانی اپنی
ہائے گردوں نے کیا کیسا تباہ
نہ جوانی ہے، نہ وہ اکبر شاہ
عدل سے اس کے تھی دہلی آباد
عدل تھا اس کا غلامِ آزاد
عہد میں اس کے نہ تھا کوئی فقیر
گھر بہ گھر شہر میں بستے تھے امیر
عہد میں اس کے تھا ایسا آرام
خواب میں بھی نہ سنا رنج کا نام

کوئی دیکھا نہ سنا ہم نے اداس
رنج دہلی کے پھٹکتا تھا نہ پاس

تھا وہ ایسا ملکِ عدل سرشت
شہر تھا اس کے سبب رشکِ بہشت

ہیبتِ عدل سے سلطاں کی ، عسس
نہ کبھی باندھ سکا پائے مگس

تھا لبِ بام ہر اک جا تحریر
شہرِ دہلی ہے مگر خلد نظیر

نقشۂ شہر جہاں جاتا تھا
بت کدہ چین کا شرماتا تھا

ہر جگہ غنچہ دہانوں کا ہجوم
شہر میں میلوں کی ہر روز تھی دھوم

شہر تھا یا کتفِ خلدِ بریں
عطر انگیز تھی کوچوں کی زمیں

سرِ بازار رواں سروِ رواں
جلوہ گر کمروں میں تھے غنچہ دہاں

تھے طلسمات کے سارے بازار
صدقے ہوتی تھی دکانوں پہ بہار

یہ بھی اک رسم تھی اس میں ہر سال
پہلے سب سے وہ شہِ مہرجمال

سیر کرنے کو قطب میں جاتا
بعد برسات کے واں سے آتا

اب تلک شہر میں ایجادِ حضور
پھول والوں کا ہے میلہ مشہور

میلے سے دو دو مہینے آگے
حضرتِ ظلِّ الٰہ واں جاتے

گرد مشکوے معلیٰ کے تمام
بادشاہی نصب ہو جاتے خیام

حکم جس جس کو جہاں ہوتا تھا
اس کا وہ خیمہ مکاں ہوتا تھا

ساتھ جب شہ کے یہ راحت ہوتا
خیمہ اس کو بھی عنایت ہوتا

جب تلک شاہ کا ہوتا تھا مقام
یہ ہی[1] محسودِ جہاں رہتا مدام

سنیے افسانہ تو اک باری
شاہ نے میلے کی کی تیّاری

دن جو پنکھے کے قریب آنے لگے
لوگ بے صبر و شکیب آنے لگے

دور و نزدیک ہوئی اس کی دھوم
دن بدن خلق کا بڑھتا تھا ہجوم

آئے ہر جا سے صغیر اور کبیر
شہروں شہروں کے ہوئے جمع امیر

کام کرتی تھی جہاں جا کے نظر
کوسوں کوسوں نظر آتے تھے بشر

باغِ عالم میں تھا جو غنچہ دہن
سیر میں آتا تھا وہ رشکِ چمن

---

۱ - اصل : یہ یہی -

کوئی دنیا میں نہ تھا ماہ لقا
دیکھنے سیر کو جو آیا نہ تھا
دور و نزدیک کے گلگونہ قبا
آئے ہر طرف سے مانندِ صبا
جلوۂ شاہ سلیمانِ جہاں
قاف سے دیکھنے آئیں پریاں
گل عذاروں کا ہؤا ایسا ہجوم
پڑ گئی جس کی پرستان میں دھوم
جمع ہر جا تھے بتِ شعبدہ باز
میلہ کرتا تھا طلسمات پہ ناز
جھرنے سے تا بہ درِ شاہنشاہ
پشت بر پشت تھے زرنابہ کلاہ
آسماں رتبہ وہاں کی تھی زمیں
پاؤں رکھتے تھے کہیں، پڑتا کہیں
خانۂ چشم سے جب نکلے نگاہ
نہ پھری کر کے طرف بھول کے راہ
لطمۂ راہ روِ مردم سے
بیٹھے تھے کمرہ نشیں بھی گم سے
سیر دیکھو کہ اسی دن اک بار
سیر کرنے کو اٹھے میرے یار
مجھ سے کہتے رہے سارے ہمدم
تو بھی چل سیر کو سب کے باہم
ان سے میں کر کے بہانہ نہ گیا
چھوڑ کر اپنا ٹھکانہ نہ گیا

سب گئے سیر کو ، میں گھر میں رہا
گھر میں تقدیر سے چکتر میں رہا

سب ہوئے محوِ تماشا جا کر
نہ پھرا شب کو بھی کوئی آ کر

نہ وہ آئے ، نہ کوئی بات آئی
انتظاری میں بہت رات آئی

کر کے انجام کو کچھ اُکلِ طعام
تھا ارادہ کہ کروں کچھ آرام

ناگہاں پردۂ خیمہ کو اٹھا
جلوہ آرا ہوئی اک ماہ لقا

لعبتِ نور ، بُتِ ہند نژاد
صورتِ حور بہشتی بنیاد

رنگِ عارض پہ قمر ہو مائل
ناصیہ دیکھ کے زہرہ ہو خجل

قامت و زلف کی باہم تکرار
سرو پر سنبلِ پیچاں کی بہار

ارغنوں لحن تھی صورت خلخال
کبک سن سن کے جسے بھولیں چال

رکھ کے خیمے میں قدم ، گھبرائی
دل میں سوچی کہ یہاں کیوں آئی

آ کے گھبرائی وہ ایسی گل رو
چوکڑی بھول گیا بس آہو

---

۱ ۔ اصل : بے جان ۔

دور سے آئی تھی، بس ہانپ گئی
دیکھتے ہی مجھے کچھ کانپ گئی

ڈھانپ کر مقنہ سے روے نیکو
شرم سے بیٹھ گئی وہ گل رو

میں بھی یہ دیکھ کے حیران ہوا
دلِ دیوانہ پریشان ہوا

ہو کے بے تاب کیا استفسار
کس کے پاس آئی ہے اے شعلہ عذار؟

یاں ترے آنے کا مطلب کیا ہے؟
اور جو آئی ہے تو پھر اب کیا ہے

بے تکلف لبِ مے گوں کھولو
دو گھڑی آؤ، ہنسو اور بولو

سن کے وہ سیم بدن میرا سخن
پاک دامن تھی، ہوئی تر دامن

ضبط اس سے نہ ہوئے اشک رواں
سن کے یہ بات ہوئی گرم فغاں

اس کو اس طرح جو دیکھا بیتاب
اور بھی مجھ کو ہوا استعجاب

میں نے اس سے یہ کہا اے گل رو
باعثِ گریہ بیاں کر کچھ تو

دلِ پُر درد سے اک کھینچ کے آہ
بولی اس طرح وہ گم کردہ راہ

میں عفیفہ ہوں، نہیں کچھ بدکار
باپ ہے میرا بڑا ساہوکار

سارے گھر میں ہوں فقط میں دختر
جانتے ہیں مجھے سب نیک اختر
سیر کرنی نہ ہمیں تھی منظور
جوگ مایہ[1] کی پرستش تھی ضرور
شہر سے آئی ہوں میں پوجا کو
نہ تلاشِ امرِ بے جا کو
جوگ مایہ میں مرا ڈیرا ہے
گھر کا گھر اترا ہوا میرا ہے
رفعِ حاجت کو جو اٹھی ناگاہ
شبِ تیرہ میں گئی بھول میں راہ
میرا خیمہ مجھے بتلا دے کوئی
میرے ڈیرے مجھے پہنچا دے کوئی
آپ کا مجھ پہ کرم ہووے گا
مجھ کو پہنچا دو، دھرم ہووے گا
مجھ کو اس وقت پہنچنا ہے محال
جاؤں گھر اپنے تو ہو رفع ملال
میرے ہمراہ جو تھے خدمت گار
سب یہ بولے کہ بہت ہے دشوار
وقتِ شب اور ہجومِ عالم
ڈھونڈنے جائیں بھلا کیونکر ہم
اور جائیں بھی تو پھر جائیں کہاں
پوچھیں ہم کس سے بھلا نام و نشاں

۱ - جوگ مایہ : لچھمی کی پرستش کا مندر -

ہاں دمِ صبح تو ہم جائیں گے
ڈھونڈ کر اس کا پتا لائیں گے

میں بھی سمجھا کہ مناسب ہے یہ بات
ڈھونڈنے جائیں کہاں آدھی رات

رات جوں توں یہ گزر جائے گی
صبح دم اپنے یہ گھر جائے گی

چشمِ عالم سے چھپایا اس کو
کر کے پوشیدہ بٹھایا اس کو

اپنے گھر آئے کی مہانی کی
رات بھر اس کی نگہبانی کی

صبح ہوتے ہی کہا یہ سب کو
جاؤ جلدی سے، خبر لو اب تو

اس کے ماں باپ کو دو اس کی خبر
اس کو لے جائیں سواری لا کر

جوگ مایہ میں گئے خدمت گار
کر کے تالاش[1] کیا یہ اظہار

شب کو اس طرح تمھاری دختر
گھر میں پہنچی ہے ہمارے جا کر

رنج کچھ دل میں نہ اپنے لائیو
اپنی دختر کو چلو لے آئیو

بسکہ ناموس شکن تھا یہ بیاں
بدگمانوں کو ہوا اور گماں

---

۱ - تالاش بجائے تلاش۔

یک زباں ہو کے پدر اور مادر
بولے اس گھر کی نہیں وہ دختر
لڑکیاں سب ہیں ہمارے گھر میں
کیوں لگی جانے تمھارے گھر میں
ہو گی آوارہ کسی کی اوباش
تم کہیں اور کرو جا کے تلاش
جاؤ ، اِس ڈیرے میں پھر مت آنا
پھر اگر آئے تو تم نے جانا
ہو کے شرمندہ مرے خدمت گار
منہ بنائے ہوئے آئے اک بار
آ کے اک اک کا پتا اس کو دیا
حال جو کچھ تھا ، بیاں اس سے کیا
وہ تو وہ میں بھی بہت گھبرایا
مظلمہ مفت میں یہ کیا آیا
کچھ نہ بن آئی مجھے اس کے سوا
مضطرب ہو کے درِ شہ پہ گیا
باری‌داروں سے کہا ، ہے یہ ضرور
عرض اک سن لیں طلب کرکے حضور
حسبِ قانونِ ادب اک ڈھب سے
عرض کی اس نے مری جانب سے
راحت حاضر ہے درِ دولت پر
عرض کرنا ہے کچھ حاضر ہو کر
نظرِ لطف و عنایت ہووے
باریابی کی اجازت ہووے

شہ کا ارشاد ہؤا آنے دو
عرض کرنی ہے تو کر جانے دو
لے گئے مجھ کو وہ اپنے ہمراہ
جلوہ فرما تھے جہاں حضرتِ شاہ
حدِ آداب سے کر کے تسلیم
میں ہؤا موردِ الطافِ عمیم
سر جھکائے ہوئے آگے جا کے
موقع (و) وقت مناسب پا کے
عرض کی میں نے کہ اے شاہنشاہ
شب کو اس طرح سے اک غیرتِ ماہ
آ گئی بھول کے میرے گھر میں
اشک اُمڈے ہوئے چشمِ تر میں
اس کے رونے پہ مجھے رحم آیا
اپنے خیمے میں اسے سُلوایا
اب دمِ صبح مرے خدمت گار
ڈھونڈنے اس کا گئے جو گھربار
اس کے ماں باپ نے دے کر دشنام
کہا کرتے ہو ہمیں کیوں بدنام
کیوں لگی رہنے ہماری دختر
اس طرح غیر کے گھر میں شب بھر
اس کی سنتے بھی نہیں ہرگز بات
رکھتے ہیں کانوں پہ انکار سے ہاتھ
آپ ڈیرے سے مرے بلوا لیں
سامنے اپنے انہیں دلوا دیں

سن کے ، ناظر سے کہا ہاں جاؤ
یہ مناسب ہے ، اسے یاں لاؤ
ہیں کہاں اس کے پدر اور مادر ؟
ان کو بھی جلد کرو یاں حاضر
حسبِ احکام ، وہ ماہِ کامل
محلِ شہ میں ہوئی جا داخل
پھر اب و عم کو بلایا اس کے
پاس پردے کے بٹھایا اس کے
اس کو دکھلا کے کیا استفسار
کون ہیں تیرے ؟ بتا دل افگار !
اس نے پردے میں سے پہچان لیا
اور انھوں نے بھی اسے جان لیا
شاہ نے ان سے کیا یہ ارشاد
اس کو لے جا کے کرو دل کو شاد
دل میں وسواس نہ اپنے لاؤ
ہے یہ بے جرم ، اسے لے جاؤ
عرض کی سب نے یہ ہو کر باہم
اس کو ہرگز نہیں لے جائیں گے ہم
یہ رہی غیر کے گھر میں شب کو
غیرت آتی ہے اب اس سے سب کو
ہے یہ کل جُگ کا زمانہ بے ڈھب
ستیا دان نہیں ہوتیں سب
اس کو لے جائیں اگر اپنے گھر
ذات سے ہم کو کریں سب باہر

ہے یہ بہتر کہ چلی جائے کہیں
اس سے کچھ ہم کو سروکار نہیں
کہہ کے یہ واں سے چلے آئے سب
یہ محل میں رہی پابندِ لقب
کوشکِ شاہ ہوا اس کو قفس
نالہ کرنے لگی مانندِ جرس
اشک آنکھوں سے رواں ، لب پہ فغاں
یاس تھی زردیِ چہرہ سے عیاں
شاہ نے اس کی بہت کی تسکین
اس کو فرمایا نہ ہو تو غمگین
دیکھنا آپ سے یہ آویں گے
منّتیں کر کے یہ لے جاویں گے
کرکے تجویز الگ ایک مکاں
اس کو فرمایا کہ لے جاؤ وہاں
اس کی ہم جنس کئی مستورات
کیں مقرّر کہ رہیں دن اور رات
اس کی مرضی کا جو ہو آب طعام
واسطے اس کے مرتّب ہو مدام
جس جگہ چاہے یہ آئے جائے
اس کو تکلیف نہ ہونے پائے
عیش و عشرت میں لگی یہ رہنے
واں کی عشرت کے بھلا کیا کہنے
لطف عشرت جو اسے آیا یہاں
گھر میں اس کے تھا میسّر یہ کہاں

کھائے اور پہنے یہاں پان اور پھول
چار دن میں یہ گئی سب کو بھول

لگی آرام سے رہنے جو نگار
آ گیا دل کو مگر صبر و قرار

بیٹھی پردے میں جو وہ غیرتِ حور
ہؤا عصمت کا فسانہ مشہور

اس پہ گزرے جو مہینے دو چار
مٹ گیا کنبے کے وہ دل سے غبار

اس کے سسرال میں پہنچی یہ خبر
یعنی اس طرح سے وہ رشکِ قمر

اپنے ماں باپ سے رہتی ہے جدا
بے سبب رنج ہے اس طرح ہؤا

اس کے ماں باپ کو بھیجا یہ پیام
ہم کو بتلاؤ کیا یہ کیا کام

ایسی کیا اس سے ہوئی ہے تقصیر
جس کی دی تم نے اسے[۱] یہ تعزیر

اس کو جس طرح بنے بلوا دو
ہم نہیں جانتے ، مُکلاوا دو

آیا جس وقت وہاں سے یہ سوال
سن کے تشویش ہوئی ان کو کمال

اس کے ملنے کے پیام آنے لگے
پختہ ہو ہو کے وہ خام آنے لگے

---

۱ - اصل : اس سے -

شہر میں جب کہ ہوئے یہ بدنام
سوجھی تدبیر یہ ان کو انجام

شہ سے کی عرض کہ اے ظلِّ الٰہ
ہے یہ امید کہ ہو عفوِ گناہ

اس کے سسرال سے ہر صبح و مسا
ہے تقاضا کہ کرو مُکلاوا

حکم ہووے تو اسے لے جاویں
اس کے سسرال اسے پہنچاویں

شہ نے فرمایا کہ اب ہے دشوار
تم کو ملنے کی نہیں یہ زنہار

یہ اگر ہوتی تمھاری دختر
یوں اسے کرتے نہ گھر سے باہر

تم نے کیوں اس سے کیا تھا انکار
تم نے کیوں اس کو بتایا بدکار

ایسی بدکار سے تم کو کیا کام
اس کے لے جانے سے ہوگے بدنام

اب یہ دختر ہے ہماری ، اس کو
تم کو کیا ، چاہیں گے دیں گے جس کو

ہم ہیں اب اس کے بجائے ماں باپ
شادی اب اس کی کریں گے ہم آپ

تم کو ہوتی اگر اس کی خواہش
اس طرح کرتے نہ اس سے کاہش

اس کے شوہر کا اگر جی چاہے
یاں سے مُکلا کے اسے لے جائے

سب یہ ملتے ہوئے دستِ افسوس
درِ دولت سے پھر آئے مایوس
منفعل ہو کے بچشمِ پُر آب
اس کے سسرال میں بھیجا یہ جواب
ہے زمانے میں یہ قصہ مشہور
شاہ کے پاس ہے وہ غیرتِ حور
عرض تم جا کے کرو حضرت سے
واں سے لے آؤ کسی صورت سے
ہم نے اس طرح دیا تھا جو جواب
اس لیے شاہ کا ہے ہم پہ عتاب
کرکے درخواست تمھاری منظور
تم کو دے دیویں تو دے دیویں حضور
جمع ہو کر وہ پریشان خاطر
درِ دولت پہ ہوئے جا حاضر
جاکے کی عرض کہ اے شاہِ جہاں
دردِ دل کس سے کریں اپنا بیاں
غایتِ جود و سخاوت ہووے
ہم کو دختر وہ عنایت ہووے
شاہ نے ان کو دیا اس کا جواب
ہم سمجھتے ہیں اسے کارِ صواب
ایک دن اچھا سا ہاں ٹھہرائیو
کرکے مُکلاوہ اسے لے جائیو
ہووے مُکلاوہ نہ وہ بیاہ سے کم
بیاہ کرتے ہیں نئے سر سے ہم

حکم یہ سن کے پھرے وہ دل شاد
آج تک کرتے ہیں سب شاہ کو یاد

ساعتِ نیک مگر ٹھہرا کر
بیاہ لائے وہ بہو کو جا کر

اس کی شادی کی ہوئی شہر میں دھوم
از سرِ نو ہوئے سب ریت رسوم

کیوں نہ ہوں شاہ رعیّت پرور
باپ ہے شاہ ، رعیّت ہے پسر

شاہ ہوتے ہیں رعیّت پرور
شہ کا فرزند ہے ہر فردِ بشر

جو رعیّت کی رعایت رکھے
اس کی اللہ حمایت رکھے

اس کو سب مل کے دعا کرتے ہیں
جان و دل اس پہ فدا کرتے ہیں

عدل سے ملک کی آبادی ہے
ظلم سے شہر کی بربادی ہے

شکرِ ایزد کہ مہاراج کا دل
جانبِ عدل بہت ہے مائل

عدل ان کا بھی کروں گا تحریر
فرض ہے مجھ کو یہ کرنی تقریر

ان کے والد کا لکھوں پہلے حال
وصف میں ان کے ہوں پھر گرم مقال

اے قلم اپنی روانی دکھلا
وصف ہے لکھنا نراندر سنگھ کا

---

(۷)

در بیانِ معدلتِ مہاراجہ نرالدر سنگھ بیکنٹھ باش فرمان فرمائے پٹیالہ

دے پیر مغاں مئے شبانہ
لکھتا ہوں میں اِک نیا فسانہ

پٹیالہ میں اب جو تھے مہارِاج
تھے ملک کے عادلوں کے سرتاج

مصروف سدا تھی اس پہ ہمت
آسودہ رہے میری رعیّت

کرتے تھے ہمیشہ ایسی تدبیر
ہو آہوے عدل جس سے نخچیر

صندوق رکھا تھا آستاں پر
تا عرضیاں ڈالیں اس کے اندر

تھی ملک میں سب کو یہ اجازت
جو چاہے کرے وہ عرضِ حاجت

سرکار سے بھی اگر ہو کچھ رنج
عرضی میں لکھے وہ بے شش و پنج

صندوق منگا کے سب سے پہلے
سب عرضیاں سب کی آپ پڑھتے

کرتے تھے سبھوں کا حال معلوم
پھرتا تھا نہ کوئی وہٰں سے محروم

تھا ایسا وہ شہریار بیدار
رہتا تھا نہ ایک دم بھی بیکار

تھراتے تھے ملک میں ستم گر
تھا غیرتِ برگِ بید خنجر

ہم چشم تھے پیر اوز برنا
ہمسر تھے ضعیف اور توانا
تھی ضربِ مثل ہر اک کو گھر گھر
"ہے راج پہ راجۂ نراندر"
یاد آئی ہے مجھ کو اک حکایت
سنیے یہ فسانۂ عدالت
مسکین و غریب اک زمیندار
تہمت میں ہوا مگر گرفتار
ہے کیفیت اس کی اس طرح سے
لکھتا ہوں سنا ہے جس طرح سے
اک چور تھا اپنے فن میں اکمل
دی جاکے کسی (کے)گھر میں کونبھل
اسباب چُرایا گھر کا سارا
بے چارے کا خوب مال مارا
آیا وہ نقب سے جب کہ باہر
دستار رہی اُلجھ کے اندر
باہر سے جو اس نے کھینچا اک بار
کچھ رہ گئی اس میں پھٹ کے دستار
تھی چور کو بسکہ بے قراری
اسباب اٹھا ہؤا فراری
تھانے میں ہوئی خبر سحر کو
لُوٹا چوروں نے خوب گھر کو
دوڑا ہوا تھانے دار آیا
واں چور کا یہ سراغ پایا

دستار تھی چور کے جو سر پر
آدھی ہے پڑی نقب کے اندر
لی چور کی واں سے یہ نشانی
کرتا تھا تلاش بے معانی

تھے نقش جو جا بجا پر اس کے
دوڑا یہ سراغِ پا پر اس کے
رکھتا ہوا اس کے پاؤں پر پاؤں
تھا ڈھونڈتا اس کو گاؤں در گاؤں

جاتا تھا لیے یہ نقشِ پا کو
پاوے مگر اپنے مدّعا کو
جنگل سا اک آ گیا سرِ راہ
دی کھوج نے جا کے واں نہ کچھ راہ

مٹ سا گیا واں سراغ اس کا
چکرا گیا واں دماغ اس کا
تھی جس کو سراغِ پا کی اٹکل
وہ ڈھونڈ رہا تھا واں کا جنگل

اک جھاڑ پہ ناگہاں سرِ خار
الجھی ہوئی دیکھی ایک دستار
آیا جو کچھ اس کے دل میں ناگاہ
نزدیک گیا یہ چھوڑ کر راہ

دیکھا تو وہاں ہے اک زمیندار
کرتا ہے کچھ اپنی کشت کا کار
بے ساختہ جا کے اس سے پوچھا
یہ پگڑی ہے کس کی مجھ کو بتلا

معلوم نہ تھا جو اس کو انجام
بولا کہ تجھے ہے اس سے کیا کام
تھا اس کو غرور تھانہ داری
تھی ہاتھ میں قمچی ، اس کو ماری
چپراسیوں سے کہا کہ پکڑو
یہ چور ہے ، اس کی مشکیں جکڑو
یہ مال اسی نے ہے چرایا
سب مال یاں یہی ہے لایا
دستار جو تھی نقب پہ پائی
پگڑی سے وہ اس کی یاں ملائی
تقدیر سے اس کا مل گیا رنگ
سُوتوں کا بھی ایک ہوگیا ڈھنگ
کہنے لگے پھر تو اک زباں سب
ہے مال کہاں ہمیں بتا اب
تو نے ہے یہ مال سب چرایا
ہے کھوج ترا یہاں تک آیا
آخر کو اسی کو کر گرفتار
تھانے میں کہا کہ دے تو اظہار
کس طرح چرایا مال تو نے
ہم سب کو دیا ملال تو نے
چوری سے تھا اس کو صاف انکار
سب کہتے تھے اس کو ، کر تو اقرار
قصہ میں بیاں کروں کہاں تک
انجام کو آیا وہ یہاں تک

دربار میں وقتِ روبکاری
کرنے لگا آ کے آہ و زاری

رو رو کے کہا کہ اے مہاراج!
قائم رہے یہ سدا ترا راج

ہرگز نہیں کچھ ذرا چرایا
ہے ظلم سے تھانے دار آیا

اس کام سے میں نہیں ہوں آگاہ
بے جرم ہوا ہوں قید، اے شاہ!

پھر پھر کے یہ تھانے دار بولا
اس طرح سے رازِ دل کو کھولا

پگڑی یہ نقب سے میں نے پائی
دستار سے اس کے جو ملائی

ہے راز یہ آشکار سب پر
نقشِ قدم اس کا تھا نقب پر

لے کر جو چلا میں کھوج واں سے
آگے نہ پھرا وہ کھوج یاں سے

دستار سے ہے جب اس کو اقرار
چوری سے کب ہو سکا پھر انکار

سب مل گیا اس سے چاک اور رنگ
کرتا ہے یہ سب کو بے سبب تنگ

سرکار نے اس میں جب کیا غور
دونوں کا تھا ایک رنگ اک طور

دونوں کا کیا جو چاک باہم
وہ چاک ہوا نہ بیش و نے کم

سب کو یہ ہوا یقین کامل
ہے چور یہ لائقِ سلاسل
کہنے لگے اہلکار سارے
بے شبہہ اسی نے مال مارے
سرکار کو پھر ہوا تأمل
فرمایا کرو ذرا تساہل
باقی ہے ابھی ایک اور حجت
شایاں نہیں معدلت میں عجلت
دونوں کے نکال کر ذرا تار
اک اک کو کرو شمار اک بار
دونوں کے جو تار ہوں برابر
بے شبہ یہ چور ہے سراسر
تاروں میں اگر فرق کچھ آیا
بے جرم کو کس لیے پھنسایا
دونوں کے کیے شمار جب تار
دونوں میں فرق کی آئی تکرار
دونوں میں فرق ہوا یہ باہم
تھے تار زیادہ ایک میں کم
فرمایا یہ سب سے اب بتاؤ
ان دونوں کے تار تو ملاؤ
بے جرم کو کر لیا گرفتار
کہتے تھے سبھی اسے گنہگار
اب بولو کہ ہے گناہ کس کا
تم سب کا گنہ ہے، یا ہے اس کا

بیٹھے تھے سب اہلکار خاموش
تھی عقل بجا، نہ اور تھا ہوش

سرکار نے دی اسے رہائی
پوشاک منگا کے ایک پہنائی

تھا جب کہ (وہ) راجہ نراندر
شاید ہو بعہدِ خود سکندر

ظاہر میں نہ تھا وہ ملک و نے مال
پر کم بھی نہ تھا کچھ اس سے اقبال

تھی ایسی کچھ اس میں عقل و فرہنگ
تھے اہلِ فرنگ دیکھ کر دنگ

جاری کیے اس نے ایسے قانون
دولت ہو مدام جس سے افزون

اس عہد میں ہے، نہ ہوگا ایسا
گزرا ہے یہ ماہ راج جیسا

لیکن یہ مہ[۱] سپہر اقبال
افزوں ہو مدام اس کا اجلال

ہر بات میں ان سے یہ نہیں کم
ہے متفق اللسان اک عالم

کچھ بڑھ کے ہے ان سے یہ جواں بخت
قائم رہے دائم اس سے یہ تخت

لازم ہے کہ لکھ کے اک حکایت
ان کی بھی کروں رقم عدالت

---

۱ - اصل : مہر -

ہے بسکہ یہ اک نیا فسانہ
زیبا ہے اسے نیا ترانہ
دکھلا تو ذرا قلم کی جودت
ہم بھی تجھے دیکھیں آج راحت
دکھلا تو قلم کے اپنے جوہر
اس بحر میں مثنوی ہو کیونکر

(۸)

در بیانِ عدالتِ مہاراجہ مہندر سنگھ فرماں روائے قلمروِ پٹیالہ دام ملکہ

ساقی آج تو خوب چھکا دے
خُم کا خُم ہی منہ سے لگا دے
وہ ساغر دے ساقیِ مہ وش
باہم ہوویں آب و آتش
پھول سے ساغر میرا بھر دے
نشے سے مجھ کو بے خود کر دے
بات نئی اک ڈھونڈ کے لاؤں
عدل مہندر سنگھ کا سناؤں
عدل ہے وہ انعامِ الٰہی
جس سے رونقِ شاہنشاہی
عدل کرے آباد زمیں کو
رونق دیوے تاج و نگیں کو
عدل ہے نجمِ سپہرِ شوکت
عدل ہے نورِ نیّرِ دولت

عدل ہو جس خسرو کا ہمدم
زیرِ نگیں ہو اس کے عالم
عدل سے ہووے ملک مسخّر
عدل سے ہووے افزوں لشکر
جس پہ خدا کی رحمت ہووے
اس کا شیوہ عدالت ہووے
عدل سخاوت دونوں باہم
رکھتّے ہیں نام جہاں میں قائم
جو ہو سخی وہ عادل ہووے
جیسے فاضل کامل ہووے
یہ مہاراجہ فضلِ خدا سے
معدن ہیں اک عدل و سخا سے
نوشیرواں ہیں وقتِ عدالت
حاتمِ ثانی گاہ سخاوت
وقتِ سخاوت گوہر باری
وقت عدالت قدرت باری
گوہر باری جوہر ان کا
جوہر بخشی گوہر ان کا
بزم میں جم اور رزم[1] میں رستم
گاہ فریدوں ، گاہے حاتم
بادۂ عشرت جام میں ان کے
عدل کا عنقا دام میں ان کے

۱ - اصل : نرم -

خاص غلام اقبال ہے ان کا
ہر دشمن پامال ہے ان کا
ہو نہیں سکتا ذکرِ سخاوت
عدل کی ہاں لکھتا ہوں حکایت

منکلا نامی ایک کہاری
چشمک اس کی رشک کٹاری
قامت اس کا رشکِ قیامت
راہ روی میں شہر کی آفت

سحر کا پُتلا وہ بُتِ پُر فن
دونوں آنکھیں خنجرِ رہ زن
شوخی و گرمی چہرے سے پیدا
ناز و ادا صورت سے ہویدا

رستے چلتا دیکھا بھالی
کسی کو جھڑکی، کسی کو گالی
تریا بید میں ایسی کامل
شیطاں اس کے آگے جاہل

پنجہ وہ شیطاں کا مروڑے
کالے سر کا ایک نہ چھوڑے
مولا نامی اس کا شوہر
جب جاوے وہ گھر سے باہر

وہ جاوے یہ جال بچھاوے
ایک نہ ایک کو گھر میں بلاوے
وہ بے چارہ جیونر سادہ
یہ آفت کی تھی پرکالہ

سبز کرے یہ ہاتھ پہ سرسوں
پاس نہ جاوے اس کے برسوں

ساری کمائی اس کی لٹائے
سچی باتیں اس کی جھٹائے

اس کی ہوا میں خاک اڑاوے
پانی میں بس آگ لگاوے

ناکامی کو کام وہ سمجھے
بدنامی کو نام وہ سمجھے

روز نئے دس فقرے جوڑے
کسی سے توڑے ، کسی سے جوڑے

رام رتن سے آخر اُلجھی
ایسی اُلجھی ، کبھی نہ سلجھی

نشر ہوا افسانہ اس کا
چھلک گیا پیمانہ اس کا

شوہر اس کا غیرت والا
آن پڑا ایسی سے پالا

ایسی عورت جس کی ہووے
دونوں جہاں سے اس کو کھووے

یاروں نے جو دیکھی برائی
اغیاروں نے دھوم مچائی

سب یاروں نے اس کو گھیرا
طعنے دیوے میرا تیرا

اس کے فسانے اسے سنائیں
سارے کوتک اس کے جتائیں

رام رتن کے پاس ہے جاتی
مال ترا ہے اس کو کھلاتی

لوگوں نے جب یوں بھڑکایا
اس کو پاسِ غیرت آیا

دل میں اپنے اس نے ٹھانی
یہ دنیا ہے آخر فانی

مارئیے ان کو ، آپ بھی مریے
چلتے چلتے نام بھی کریے

یہ ہی اس نے ٹھانی دل پر
ان دونوں کو کیجیے برابر

فکر یہی تھا اس کو ہردم
ہاتھ لگیں یہ دونوں باہم

پھرتا تھا یہ تاک میں ان کی
کرتا تھا دم ناک میں ان کی

خالی اپنا ہاتھ نہ جاوے
سر جاوے ، پر بات نہ جاوے

یہ ہی رہتا اس کے دل پر
چڑھ جاویں یہ دونوں ڈھب پر

فکر یہی تھا اس کو ہردم
ہاتھ لگیں یہ دونوں باہم[1]

---

۱ - یہ شعر دو مرتبہ درج ہوا ہے - ممکن ہے مصنف کی اس سے کوئی خاص غرض ہو - (مرتب)

اک دن حکمِ قضا جو آیا
ان دونوں کو باہم پایا

حال سناؤں تم کو ان کا
ذکر سناؤں یوں اک دن کا

مولا گھر سے کام کو نکلا
کہہ کر اس بدنام کو نکلا

مجھ کو ہے اک کام کو جانا
ہوگا میرا شام کو آنا

یہ بھی اٹھی کر کے بہانہ
ہے پانی کو مجھ کو جانا

عورت کی جو موت نے گھیرا
چھایا آنکھوں میں اندھیرا

شوہر کا کچھ خوف نہ آیا
سر پر اپنے گھڑا اٹھایا

گھر سے ساتھ چلے یہ دونوں
کرتے گھات چلے یہ دونوں

یہ تو ٹھہری کنویں پہ آ کر
چل نکلا وہ راہ پہ جا کر

ایسے اس نے قدم اٹھائے
جیسے کوئی سفر کو جائے

اونچے پر سے یہ مکّارہ
کرتی تھی اس کا نظّارہ

اس نے ایسا قدم اٹھایا
دو قدموں میں نظر نہ آیا

آنکھ سے اس کے ہوا اوجھل
گھر پہنچی یہ یار کے چنچل
گھر پایا اغیار سے خالی
دل کی حسرت خوب نکالی
آفت کے دونوں پرکالا
کرنے لگے باہم منہ کالا
دل اس کا جو کچھ گھبرایا
الٹا پھر کر گھر کو آیا
آ کے کنویں پر دیکھا اس نے
اور ہی پایا لیکھا اس نے
خالی مٹکی چھوڑ کنویں پر
عیش منایا یار سے جا کر
آئی غیرت اس کے دم کی
بجلی سی اک دل پر چمکی
غصے کی یہ تاب نہ لایا
بنیے کے یہ گھر پر آیا
موت کو تھا جو اس دن آنا
بھول گئے زنجیر لگانا
دروازے کو کھلا جو پایا
گھر میں یہ درّانا آیا
ان دونوں نے آہٹ پائی
بٹہ بازی کام نہ آئی
پیچھا سوجھا اسے نہ آگا
بنیا چھوڑ ترازو بھاگا

بھاگ گیا وہ، ہاتھ یہ آئی
بن اس کو کچھ بات نہ آئی
قتل کا آلہ ہاتھ نہ آیا
گھر تک اس کو کھینچ کے لایا
گھر میں اپنے کہاری پائی
پھر اس کو یہ جودت آئی
اس کو اس کے گھر میں ماروں
اور اسے بھی پار آتاروں
کھینچ کے اس کو وہیں یہ لایا
کوئی چھڑانے اسے نہ آیا
غیرت نے دکھلائے جوہر
لایا اس کو اسی کے گھر پر
غصّے نے جو دیا آبھارا
لا کر اس کے گھر میں مارا
جب تک کوئی چھڑانے آئے
ٹکڑے اس نے اس کے آڑائے
مارا اس کو جان سے آخر
مار کے نکلا گھر سے باہر
سب نے اس کو آن کے پکڑا
مشکیں باندھیں، خوب ہی جکڑا
بد عورت سے خدا بچائے
آخر یہ دن اسے دکھائے
جو بدکارہ عورت ہووے
ایک نہ اک دن وہ گھر کھووے

قہر خدا کا اس پر ٹوٹے
ایسی عورت مر کر چھوٹے
چھوٹی مر کر وہ مکّارہ
قید ہوا یاں یہ بے چارہ
سنی نہ اس کی آہ و زاری
ڈالی اس کے بیڑی بھاری
بِن لکھے اظہار کو اس کے
ضبط کیا گھر بار کو اس کے
جو اس کے گھر بار میں پایا
ضبط ہوا، سرکار میں آیا
جب نوبت اظہار کی آئی
اپنی حقیقت ساری لکھائی
مارا میں نے یہ ہے سمجھ کر
اس جینے سے مرنا بہتر
مرنا اپنا دل میں بچارا
اس عورت کو میں نے مارا
یہ عورت اک آفتِ جاں تھی
دل میں میرے درد نہاں تھی
مدّت گزری یہ مکارہ
اس کے پیچھے تھی آوارہ
سارا پیسا میرا اُڑایا
میں نے کمایا، اس نے لٹایا
جب اس نے اظہار لکھائے
لالہ جی بھی پکڑے آئے

اب بنیے کو یہ بن آئی
سچی سچی بات لکھائی
جھوٹ نہ رتی ماشہ بولا
ٹھہرا ہو کر سیدھا تولا
اقبال کیا افعال سے اپنے
اقرار کیا اقوال سے اپنے
مثل نظامت میں جب آئی
مولا پر کچھ قید لگائی
واں سے عدالت میں جب آیا
حکم مناسب واں سے پایا
رائے میں سب کے یہ ہی آئے
قید رہے، زنداں میں جائے
خاص اجلاس میں آخر آیا
بختِ رسا اس کو یاں لایا
نوشیرواں کو کہاں سے لاؤں
میں آقا کا عدل دکھاؤں
آوے قیصر، دیکھے عدالت
سیکھے عدل کی یاں سے لیاقت
مجرم کو جب پاس بلایا
لطف و کرم سے یہ فرمایا
حال بیاں کر سب سے سارا
تو نے اس کو کیونکر مارا
اُس کا حال تباہ تھا غم سے
ٹپکے آنسو دیدۂ نم سے

آنکھوں سے تھے آنسو جاری
نالوں سے تھی آتش باری
رو رو اس نے حال سنایا
جو کچھ اس نے تھا ، لکھوایا
عرض کیا یہ اس نے شاہا !
منصف ہے تو عدل پناہا !
کیسے کیسے رنج و محن سے
پکڑا اس کو رام رتن سے
جرم جو مجھ سے یہ بن آیا
مجھ کو غیرت نے فرمایا
یہ ہی آئی میرے دل پر
ان دونوں کو کیجے برابر
آخر حکم قضا جو آیا
اک دن ان کو باہم پایا
لالہ جی تو کہہ کر بھاگے
جان بچے تو لاکھوں پائے
عورت نے دی جان اجل کو
پہنچی وہ پاداشِ عمل کو
غیرت سے یہ حال ہے میرا
مجرم ہوں میں لیکن تیرا
چاہو مارو ، چاہو چھوڑو
اس ٹوٹے کو میرے جوڑو
روتے دیکھا ، رحم جو آیا
اس کی نسبت یہ فرمایا

بدکارہ جو عورت ہووے
سارے گھر کی عزت کھووے
مارا جانا خوب ہے اس کا
قتل بہت مرغوب ہے اس کا
خوب کیا جو تو نے مارا
ہے یہ ہی انصاف ہمارا
آج اگر ہو اس کو سیاست
بدکاروں کو ہووے جودت
قید سے ہاں ہو اس کو رہائی
ناحق اس نے ذلّت پائی
اس کا مال اسے مل جاوے
قید سے چُھوٹے، گھر کو جاوے
ضبطی میں جو مال تھا آیا
واپس اس کا اسے دلایا
بنیے کو زندان میں بھیجا
زیرِ سیاست اس کو کھینچا
شاد ہوئے سب اہلِ عزّت
بدکاروں نے پائی عبرت
شاد ہوا اس حکم سے عالم
اب کہتے ہیں سب یہ باہم
"بار خدایا! شکر ہے تیرا
ہم کو بخشا مالک ایسا"
ایسا ہو جو رعیّت پرور
کیوں نہ دعائیں دیویں گھر گھر

روز افزوں ہو دولت اس کی
عالم میں ہو شوکت اس کی

دنیا اس کے زیرِ نگیں ہو
حکم میں اس کے روے زمیں ہو

روز افزوں ہو دولت اس کی
عالم میں ہو شوکت اس کی[1]

بار خدایا ! شکر ہے تیرا
ہم کو بخشا مالک ایسا

ایسا ہو جو رعیّت پرور
کیوں نہ دعائیں دیویں گھر گھر

خلق ہے بوے گل سے افزوں
رنگ ہے روئے گل سے افزوں

رکن ریاست دریا دل ہیں
وقتِ عدالت سب عادل ہیں

ہر اک رکن ہے اس کا ایسا
فلک پہ ابرِ رحمت جیسا

کس کس کا میں نام سناؤں
مضموں تازہ کہاں سے لاؤں

سب کی طبیعت میں ہے نزاکت
سب کی طبیعت مائلِ راحت

مدح کے لائق بحر نہیں ہے
اس دریا میں لہر نہیں ہے

---

۱ - یہ دعائیہ شعر بھی غالباً جان بوجھ کر دہرایا گیا ہے۔
(مرتب)

بحر اگر یہ ہوتی سالم
دکھلا دیتا نور کا عالم

راحت اب بتلا کیا کیجے
داد سخن کی کیونکر دیجے

محمد حسن دستور اعظم
جس کا عقلِ کل ہے ہمدم

واقفِ سرِّ خفی و جلی ہے
آلِ نبیؐ ، اولادِ علیؑ ہے

گوہرِ بحرِ حلم و حیا ہے
جوہرِ معدنِ جود و سخا ہے

قدر شناسِ علم و ہنر ہے
اہلِ ہنر کی اس کو قدر ہے

چرخ نے جس کی پشت دوتا کی
بن کے مسیحا اس نے دوا کی

رفعت اس کی کیونکر بیاں ہو
تارا عرش کا میری زباں ہو

دودۂ شمعِ بزمِ امامت
نورِ چراغِ کاخِ رسالت

علم و ہنر میں ایسا کامل
جس کے آگے ارسطو جاہل

ان کا اخی جو ان سے کہیں ہے
خاتمِ شاہی کا وہ نگیں ہے

مُہر سلیماں ہاتھ میں اس کی[1]
معجزہ ہر اک بات میں اس کی

اعجاز نما ہر ایک سخن ہے
چشمہ آبِ بقا کا دہن ہے

برق سے افزوں طبع میں جودت
جودتِ طبع پہ شیدا رفعت

رکھتا ہے وہ ہمتِ عالی
بات نہ جائے کسی کی خالی

رشکِ عطارد اس کا قلم ہے
کیواں شوکت اس کی رقم ہے

بحر سیادت ان کی صدف ہے
ہر اک بھائی دُرِ نجف ہے

سب بھائی یہ عالی ہمم ہیں
گوہرِ بحرِ خُلق و کرم ہیں

کس کس کی توصیف بیاں ہو
جادوگر مری کیونکہ زباں ہو

تھام قلم یاں راحت اپنی
آخر کر تو حکایت اپنی

سب سے حال بیاں کر اپنا
افشا رازِ نہاں کر اپنا

علم و ہنر کے ہیں یہ قدرداں
ان سے بیاں کر رازِ پنہاں

---

۱ - یہ ضمیر 'مُہر سلیماں' سے تعلق رکھتی ہے ، ہاتھ سے نہیں -
(مرتب)

راز نہاں میں کہہ نہیں سکتا
ہائے کروں کیا، رہ نہیں سکتا
راز نہاں کہنے سے حاصل
بات نہیں کہنے کے قابل
حال کی تیرے ان کو خبر ہے
ان پہ کھلا سب نفع و ضرر ہے
آگہ ہیں یہ سب باتوں سے
تیری مصیبت کی راتوں سے
عرضِ حاجت کی تو کیا کی
ایسی شفاعت کی تو کیا کی
تو ہے مریض اور یہ ہے مسیحا
مشکل کیا ہے، - تیرے مداوا
یہ اعجاز جب اپنا دکھاویں
تجھ جیسے سو مردے جِلاویں
مانا ہم نے تو ہے پریشاں
رنج ہے تیرے گھر میں مہماں
ہے یہ اشارہ تیرا کافی
ہو جاوے گی اس کی تلافی
طول سخن مت کر اب **راحت**
عرض محن مت کر اب **راحت**
ختم کر اب افسانہ اپنا
بھر چُک لا پیمانہ اپنا
مانگ دعا اللہ سے اس دم
ہو یہ سخن مقبولِ عالم

تیرا سخن لاثانی ہووے
مشہور جہاں یہ کہانی ہووے

قصیدۂ تہنیتِ صدر نشینیِ جناب مہاراجہ مہندر سنگھ صاحب بہادر

بمن رسید صداے نوید فتح الباب
ز حسن کارِ وکیلِ قلمروِ پنجاب
روا بود کہ بگویم خلیفۂ وقت است
سزد کہ خسروِ اہلِ قلم کنند خطاب
زہے تجلیِ طورِ طبیعتش کہ فتاد
بوقتِ عرضِ بیاں بر ضمیرِ اہلِ کتاب
زہے نوازشِ تقریرِ او ز نوائیں
کہ جز نعم نکند لا کسی بوقتِ جواب
بہ نخل کار براری بہار تقریرش
دمِ کلام بہ پیچد جو پیچشِ لبلاب
کلامِ او کہ بسحرِ حلال می ماند
رقیب را کند الکن بہ بزم گاہِ جواب
صلاحِ کارِ مہاتِ ملک را زیبد
صلاحِ او کہ ہمہ فتح دارد از اعراب
علوِ حوصلۂ ایں امام زاداں بیں
کہ فتح را بدلِ خود نہ کردہ اند حساب
رقیب و جودتِ طبعش مثالِ خاک بباد
حریف و رای رسایش بسانِ آتش و آب

دود ولیک نگیرد غزال جای پلنگ
پرد ولیک ندارد تدرو بالِ عقاب
محیطِ دانش و فرہنگ امام زادانند
بسعیِ خویش فتاد آشنا دریں گرداب
دریں زمانہ بسان زبانۂ خاشاک
ز جا دوید بلند و ز پا فتاد شتاب
سپہر را کہ تواند غبار بشناسد
محیط را کہ تواند نشان دہد ز سراب
ندیده ایم بجائے ، جہاں نوردیدیم
عقاب را کہ کشاید جناح بہرِ ذباب
اگر ہزار فراموش میکند نرسد
بہ کبک کوه سبک رو خرام ناز غراب
بدیں نوید کہ ایں غنچۂ مراد شگفت
روا بود کہ دہم تہنیت بچنگ و رباب
سپرده شد بمہاراج نظمِ ملک تمام
کہ این جمیلہ نزیبد زیاده زیرِ قباب
مرا رواست کہ صد گونہ نغمہ ساز دہم
بہ تار ہائے رگِ جانِ خود زنم مضراب
عجوزِ ملک ازین مژده باز دربر کرد
بسانِ شاہدِ طناز رختِ عہدِ شباب
خدایگانا کہ این مژده ایست آبِ حیات
برائے مرده دلی کو فتاده در تب و تاب
کدام مرده دلی راحتِ غریب و نحیف
کہ اوبگوشۂ عزلت نشستہ بیخوروخواب

دریں زمانۂ ماضی کہ بر سرم بگزشت
رسیده بود بلب جانِ منِ بحالِ خراب
کنون سروش مرا مژده داد ہاں برخیز
گزشت نکبت و عسرت بسانِ نقشِ سراب
بمطلعی کہ ازو رنگِ تہنیت ریزد
شوی بچشم زدن از گروهِ اہلِ نصاب
ازیں نویدِ طرب‌خیز ایں غزل گفتم
شگفتہ داغِ دلم مثلِ لالۂ شاداب
زہی فروغِ جبینِ شگفتہ صد مہتاب
فلک نثارِ تو سازد بہ زمرۂ طلّاب
فلک بہ جشنِ تو در بزمِ عالمِ اسباب
ستاره ریختہ بر فرش چادرِ مہتاب
بہ بزمِ دلکشِ تو جامِ آتشیں آرد
عرق بہ ناصیۂ آفتابِ عالم تاب
رسن ز قوسِ قزح آورند فرّاشان
چو شامیانۂ جاهِ ترا کشند طناب
بہ بزمِ جم بتو ساغر دہد اگر گردد
بہ رزم غاشیہ بر دوش رستم و سہراب
سکندر آئینہ داری کند ز نوآئین
بہ دربانیِ تو فخرِ بہمنِ داراب
فروغِ پرچم رایت بہ پیشِ طاقِ درت
ہمی‌کند بہ دلِ غیر کارِ تیرِ شہاب
ہلالِ ابروی تیغِ تو گر عدو بیند
ادای سجدۂ واجب کند دریں محراب

به حکمِ نیّرِ سعدِ تو میکنند مدام
به چرخ ثابت و سیّاره کار های رقاب

بیادِ بزمِ تو همواره جشنِ جمشیدی
پسِ طلسمِ جهان بود مثلِ من بیتاب

به بزم گاهِ تو آرد بهار صد گلشن
به خاکِ راهِ تو پاشد هزار دجله گلاب

طرب به گنبدِ گردون ز بسکه پیچیدست
صدای تهنیت آرد ز نغمهای سحاب

به هر کجا که سُمِ توسنت فتد به زمین
بهار فرش ز صندل کشد بروی تراب

نگاهِ لطفِ تو بر مزرعهٔ امیدِ جهان
بسانِ ابر ببارد ز زر کند شاداب

محیط آبِ گهر بر تو چون فدا نکند
عجب بود که شود خضر گم ز راهِ صواب

گمان برند ز آبِ حیات اهلِ ختن
اگر به چشمهٔ دل افگنی ز سهو لعاب

هوای قصر تو آرد برقص بلبل را
بسانِ وجد که شیخ آورد به صورتِ باب

بسانِ دانهٔ انگور از خمِ گردون
به جامِ خلق در عهدِ تو ریختند شراب

به بزمِ مدحِ تو تا کی سخن دراز کنم
روا بود که کنم شکرِ لطف های جناب

ز چشمِ لطف تو امید آن چنان دارم
مرا نماند بجز آستانهٔ تو مآب

دمے کہ جملہ رفیقانِ خویش بنوازی
مرا کہ فدویِ خاصم بہان زمان دریاب

قصیده را بہ دعا اختتام می‌سازم
کہ مستجاب بود مر دعای مردِ مصاب

الٰہی تابہ ابد ملک و حکم و جاه و جلال
بسانِ عنصرِ اربع در عالمِ اسباب

بچشم وردِ زبان و قدوم تو توام
بود بسانِ دُرِ شاہوار اندر آب

ہمیں دعاست مرا حکمرانیِ تو مدام
بہ تو مبارک و مسعود باد بر احباب

خاتمہ

باعث تحریر مثنوی 'ہشت عدل' کا آٹھ بحروں میں اور لکھنا ایک قصیدۂ فارسی کا خاتمے میں یہ ہے کہ اس ہیچمدان کج مج زبان اور ابجد خوانِ دبستانِ سخن طرازی کو صرف ثنا خوانی اپنے ولیِ نعمت ، فریدوں مرتبت ، جمشید حشمت ، قیصر صولت ، خاقان رفعت ، فیاض زماں ، حاتمِ دوراں ، جناب مہاراجہ صاحب فرزندِ خاص دولتِ انگلشیہ ، منصور الزمان ، امیرالامرا ، مہاراج ادھراج راجیشر ، سری مہاراجۂ راجگان مہندر سنگھ مہندر بہادر مخاطب بخطاب نائٹ گرانڈ کمانڈر آف دی موسٹ اگزالٹڈ آرڈر آف دی اسٹار آف انڈیا یعنی طبقہ اعلاے ستارۂ ہند والیِ پٹیالہ دام اقبالہ و اجلالہ کی متصور تھی ۔ اس واسطے یہ قرطاس بسانِ تیرگیِ لیلِ حرمانِ خود سیاہ کیا اور امید اس خاکسارِ بے مقدار کو یہ ہے کہ اگر کوئی شعر کسی مثنوی کا یا قصیدے کا مطبوع طبعِ ہمایوں خدیو ہنرور پرور کے ہو جاوے گا تو وہ خورشید نظیر ، آفتاب ضمیر ، ذرۂ کردار نمک خوار قدیم اپنا تصور کر کے ایک نگاہِ مہر انگیز میں زمرۂ ہم چشماں میں رشکِ لعلِ بدخشاں بنا دے گا ۔ اور اگر بالفرض یہ قافیہ پیمائی پسند بھی نہ آوے گی ، تب بھی بذریعۂ دستگیریِ دستگیرِ مستمنداں ، مسیحِ دردِ دلِ حاجت منداں ، سلطانِ خرسنداں ، معظم مکرم ، دستور الاعظم ، جناب خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب

بہادر یہ محنت کبھی رائگاں نہ جاوے گی اور اس کی صلہ یابی سے امیدِ دلی بر آوے گی۔ اب اس نسخے کو حلیۂ طبع سے آرائش دے کر پیشکشِ بساطِ بوستانِ چار بالشِ دولت و اقبال کرتا ہوں : ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

جب مثنوی کر چکا میں اتمام
سب بولے کہ واہ کیا کہی ہے
ہیں مثنویاں تو آٹھوں مرغوب
پر اس میں قصیدہ سب کا جی ہے
میں اپنے یہ دل میں کہہ رہا تھا
تاریخ کی کسر رہ گئی ہے
ہاتف نے کہا یہ مجھ سے راحت
راحت دہِ دل یہ مثنوی ہے

قطعۂ تاریخ دن تصنیفِ تمکین

پٹیالے کے مطبع میں جس سال چھپی ہشت عدل
ہر ایک نے دی تمکین داد سخنِ شیریں
میں نے یہ کہا دل میں ہے مجھ کو بھی یہ زیبا
سب دیتے ہیں، میں بھی دوں دادِ سخنِ شیریں
تلاش تھی مضموں کی، کہتا تھا یہ میں دل سے
لکھوں تو میں کیا لکھوں دادِ سخنِ شیریں
ہاتف نے کہا مجھ سے، ہے فکر تمھیں ناحق
تاریخ ہے یہ موزوں دادِ سخنِ شیریں

قطعۂ تاریخ خاکسار چیت رام کاتبِ کتاب

کاتبِ "ہشت عدل" تھا یہ چیت رام
راست ہے یہ، اس میں نہیں کچھ دروغ
کر چکا جب مثنوی لکھ کر تمام
ختم کی تاریخ لکھی با فروغ

الحمدللہ کہ مثنوی ہشت عدل مصنفہ جناب مرزا محمود بیگ راحت تخلص دہلوی مطبع منشی نولکشور صاحب واقع پٹیالہ میں باہتمام خاکسار سید محمود علی مہتمم و مینجر کے فروری ۱۸۷۳ع میں طبع ہوئی - فقط

تمت

واسوختِ راحت

واسوختِ راحت

ایک دن وہ تھا کہ اُلفت سے ہم آگاہ نہ تھے
عشق کی نام کو چلتے بھی کبھی راہ نہ تھے
ان ستم گاروں کو ہم جانتے بھی آہ نہ تھے
واقفِ رنج و الم بھی کبھی واللہ نہ تھے
غنچے کی طرح دل اس ذکر سے تنگ آتا تھا
پاسِ ناموس تھا کچھ عشق سے ننگ آتا تھا

واقفِ لذتِ تیرِ نگہِ یار نہ تھے
تشنۂ آبِ دمِ خنجرِ خوں خوار نہ تھے
آہ اس دردِ جدائی میں گرفتار نہ تھے
وہی کچھ دن تھے کہ الفت سے خبردار نہ تھے
ہنستے رہتے تھے سدا ہم گلِ خنداں کی طرح
رونی صورت نہ تھی یوں بلبلِ نالاں کی طرح

کچھ عجب جوش پہ تھی فصلِ جوانی کی بہار
چہچہے یاروں میں رہتے تھے سدا لیل و نہار
یا کہ دریا پہ ہیں، یا کرتے ہیں سیرِ گلزار
میرے کوچے کا صبا نے بھی نہ دیکھا تھا غبار
نکہتِ خندۂ گل ہائے دہانِ احباب
گلشنِ عیش میں رکھتے تھے ہمیشہ شاداب

جانتے بھی نہ تھے ، کہتے ہیں کسے غمزہ و ناز
یہ سمجھتے بھی نہ تھے ، کیا ہے ادا اور انداز
نالۂ نے کی بھی سنتے نہ تھے دل سے آواز
پوچھتے پھرتے تھے ہم معنیِ لفظِ دم ساز
قدِ موزوں کا تصوّر تو کہاں آتا تھا
مصرعِ موزوں بھی زباں سے نہ پڑھا جاتا تھا

سادہ رویوں سے یہ نفرت تھی کہ اللہ اللہ
نیچی آنکھیں کیے ، بازار میں رہتے سرِ راہ
اپنی بھی وضع سے ہم آپ نہ تھے کچھ آگاہ
آئنہ بھی نہ کبھی دیکھتے تھے بھر کے نگاہ
وضعِ دل کش کسے کہتے ہیں ، خبردار نہ تھے
تھے طرح دار پہ گویا کہ طرح دار نہ تھے

اب یہ حالت ہے پڑے رہتے ہیں دن رات اداس
اڑ گئے طائرِ وحشی کی طرح ہوش و حواس
جز غم و رنج نہیں آ کے پھٹکتا کوئی پاس
مونس و محرم و غم‌خوار ہے اک عالمِ یاس
جائے سینہ میں نہیں ہے کہ جہاں ہووے نہ داغ
دل کی جا پہلو میں جلتا ہے مرے ایک چراغ

وہی ہم ہیں کہ اٹھاتے تھے سدا لطفِ شباب
نشۂ بادہ میں سونگھی نہ کبھی بوئے کباب
جانتے تھے کہ ہیں چاہت میں بڑے رنج و عذاب
یہ نہ واقف تھے کہ اس طرح سے ہوویں گے خراب
اپنی مل جائے گی سب خاک میں یہ رعنائی
سارے غم خوار بتائیں گے ہمیں سودائی

وہ کہاں صحبتِ احباب ، کہاں سیرِ چمن
دامنِ گل کی طرح ٹکڑے ہے سب پیراہن
پاؤں میں چاک گریباں ہے ، گلے میں دامن
بارِ سر بھی مجھے گویا ہے وبالِ گردن

کہربا سے ہے فزوں چہرے کی رنگت میری
تنکے چنتا ہوں ، ہے وحشت سے یہ صورت میری

یہ نہ سمجھا تھا کہ اس طرح سے ہوں گا بےتاب
دل لگی کرتے ہی چھٹ جائیں گے سارے احباب
عمر بھر تڑپیں گے اس طرح سے ہم بیخور و خواب
طاقت و صبر و تحمّل ہمیں دے دیں گے جواب

عمر کے دن نہیں کٹنے کے تہِ تیغِ ستم
موت بھی پاس مرے آنے کی کھاوے گی قسم

یہ خبر کب تھی کہ دل آپ پہ مائل ہوگا
خنجرِ ناز کا قاتل ترے بسمل ہوگا
تو ہی یوں کر کے لگاوٹ مرا قاتل ہوگا
ایسا خوں خوار تو اے حور شمائل ہوگا

نام لینے سے مرے یہ تجھے نفرت ہوگی
اس محبت پہ میاں ایسی عداوت ہوگی

یہ بھی تقدیر کی خوبی کہ مجھے الفت ہو
اس محبت پہ مری آپ کی یہ صورت ہو
گرمیِ صحبتِ اغیار کی یہ شہرت ہو
میلے ٹھیلے ہوں سدا اور سدا خلوت ہو

محرمِ راز بنے غیر تمھارے ایسے
دشمنِ جان بنے آپ ہمارے ایسے

دل میں انصاف ذرا کیجیے اور کیجیے غور
ناز و انداز کا یہ کس نے بتایا تمھیں طور
اب سجیلے جو ہوئے ، چاہنے والے ہوئے اور
ہاں میاں جو یہ سکھاوے (ہو) وہی لائقِ جور
آہ ظالم ! تجھے اس طرح بنانا ہی نہ تھا
غمزہ و ناز و ادا تجھ کو سکھانا ہی نہ تھا

میری چاہت ہی کی خوبی سے ہوئی یہ شہرت
سیکڑوں دیکھنے آنے لگے تیری صورت
پھر تو ہر ایک کو تم سے لگی ہونے اُلفت
اور ہی ہو گئے تم ، مجھ کو تو یہ ہے حیرت
نہ محبت ، نہ مروت ، نہ ملاقات رہی
نہ وہ صحبت ، نہ وہ اقرار ، نہ وہ بات رہی

تیغ تھے ابروے خم دار مگر تھے بے آب
جھوٹے موتی دُرِ دنداں تھے ، بنے[1] یہ نایاب
ہونٹھ پتلے تھے مقرر ، نہ کہ جوں برگِ گلاب
طبع چالاک تری ایسی تھی کب جوں سیماب
دے کے کاجل کبھی چھوڑا بھی تھا یوں دنبالہ
آہ ! اب ایسا تُو آفت کا بنا پرکالہ

روکشِ غنچہ دمِ خندہ کب ایسا تھا دہن
غیرتِ عطر بہاری تھی کہاں بوے بدن
کب لچکتی تھی کمر آپ کی جوں شاخِ سمن
کب ہر اک بات میں کہتے تھے تم اے رشکِ چمن
تیرے چھلوں کے تھے کب سینۂ اغیار پہ گل
نالہ کس دن تھا مرا رشکِ صفیرِ بلبل

---
۱ - اصل : ہی -

ایسی پیچیدہ بھلا آپ کی کب تھی تقریر
یوں جماتے تھے لکھوٹا ، نہ مسی کی تحریر
کھنچ کے کب جاتی تھی ملکوں میں تمھاری تصویر
حسنِ یوسف کو دیا کرتے تھے کب تم سے نظیر
چاہنے سے مرے مشہور ہوئے تم ایسے
ورنہ معشوق زمانے میں بہت تم جیسے

بیٹھ کر تہہ میں نکلتے تھے بھلا سیر کو کب
چاکِ پردہ سے کہاں جھانکا کیا کرتے تھے جب
تھا لگاوٹ کا ستم گار! تجھے ایسا نہ ڈھب
راہ چلتوں کو اشاروں پہ لگا لیتے ہو اب
جس کو پردے میں سے جھانکا آسے گویا مارا
سسکی بھرتا ہی نہیں اب تو تمھارا مارا

آپ کی باتوں میں کب ایسی فسوں سازی تھی
کون سے دن تری چشمک میں یہ غمّازی تھی
قدِ بالا میں کہاں آپ کے طنّازی تھی
یاد کب آپ کو اس طرح کی دم بازی تھی
غیرتِ کبکِ دری چال تمھاری کب تھی؟
آئنہ دیکھو، یہی شکل تمھاری جب تھی؟

آنکھ مجلس میں اٹھاتے ہوئے شرماتے تھے
میرے بن سیر بھی کرنے نہ کہیں جاتے تھے
آنکھ جھک جاتی تھی کوئی بات بھی فرماتے تھے
غمزہ و ناز و ادا کچھ بھی تمھیں آتے تھے؟
اب ہمیں چٹکیوں میں آپ اڑا دیتے ہیں
گہ رلا دیتے ہیں اور گاہ ہنسا دیتے ہیں

بیٹھنا کب پسِ چلمن تمھیں یوں آتا تھا
جھانکنا تاکنا اس طرح سے کب بھاتا تھا
صورتِ غیر سے دل تیرا دھڑک جاتا تھا
پھروں بندہ ہی تجھے باتوں میں پھسلاتا تھا
بانکے دلّی کے کب اس طرح اڑے رہتے تھے
دیکھنے جلوۂ دل کش کو کھڑے رہتے تھے

دیکھنے اور دکھانے کے ہوئے جب قابل
اور ہی اور تمھارے لگے ہونے مائل
میں اگر ایسا سمجھتا تو نہ ہوتا بسمل
تا بہ مقدور نہ دیتا کبھی ہرگز تمھیں دل
کبھی ایمان نہ لاتا ، نہ مسلماں ہوتا
آپ کا چہرہ اگر صورتِ قرآں ہوتا

ہم یہ سمجھے تھے یوں ہی ربط رہے گا باہم
ہوں گے فرمائشوں کے رسل رسائل پیہم
خاصداں آدمی لاوے گا تمھارا ہردم
کنٹھے اور ٹوپیاں پہناؤ گے دے دے کے قسم
اپنے ہاتھوں میں نشانی مری تم رکھتے ہو گے
گنجفے میں بھی مرے نام کا خم رکھتے ہو گے

مرے زانو ہی کا تکیہ رہے گا آٹھ پہر
لیٹتے بیٹھتے ، زانوں کے تلے ، یا تہِ سر
منہ مرا دیکھے بِن اٹھو گے نہ ہنگامِ سحر
آئنہ جب کبھی دیکھیں گے تو باہم مل کر
خاصہ جب کھائیں گے صاحب کہ جب ہم کھائیں گے
ہم نہ کھائیں گے تو کھانے کی قسم کھائیں گے

سیر کو جاؤ گے جب رتھ میں کہیں ہو کے سوار
بن مرے پاؤں بھی رکھنے کے نہیں تم زنہار
ساتھ ہی لے کے چلو گے مجھے با صد تکرار
تم سے تھی کب یہ توقع کہ مجھے سو سو بار
حکم ہووے گا کہ مت آ مرے گھر، چل یاں سے
"آنے مت دیجیو" فرماؤ گے یہ درباں سے

ہم نشیں آپ کے اس طرح سے ہوویں گے رقیب
پھول کر بیٹھیں گے بلبل کی طرح گل کے قریب
ہم کو برسوں بھی زیارت نہیں ہونے کی نصیب
جوشِ وحشت سے مری ہووے گی شورش یہ عجیب
گھر سے نکلے گا ہر اک لے لے کے پتھر باہر
تم بھی گھبرا کے نکل آؤ گے اکثر باہر

آہ ! اس طرح سے فقرہ تجھے دیں گے دم باز
جوڑ چل جائیں گے اس طرح سے مجھ پر غمّاز
یوں بگڑ جائیں گے دو دن میں تمھارے انداز
خیر، گر غیر رہے یوں ہی ترے محرمِ راز
یہ سمجھ رکھیو کہ در پر ترے تلوار چلے
کل چلے، آج چلے، جب ہوئی تکرار، چلے

سامنا گر نہ کرے گا مرا کوئی بدخواہ
اور نظر بھی نہیں آنے کا کوئی شام و پگاہ
آپ بھی اور نہ چھوڑیں گے رقیبوں سے یہ راہ
خوب یہ دل میں سمجھ رکھیے، ہے اللہ گواہ
شعلہ رو ڈھونڈ کے ایسا میں کوئی یار کروں
پھر تصور بھی نہ تیرا کبھی زنہار کروں

جانتے ہو کہ مرض یہ کبھی جانے کا نہیں
دل لگی بن کبھی آرام یہ پانے کا نہیں
دیکھ لینا کہ غمِ ہجر میں کھانے کا نہیں
آنکھ میں بھی کبھی آنسو مری آنے کا نہیں
ضد سے تیری کوئی وہ ماہ لقا لاؤں گا
ذکر بھولے سے بھی ہرگز نہ ترا لاؤں گا

ہووے وہ رشکِ پری ، ماہ لقا ، غیرتِ حور
شعلۂ طور کہے ، کوئی اسے عالمِ نور
آنکھ اٹھا تیری طرف دیکھے اگر وہ مغرور
رنگ اڑ جائے ترے چہرے کا ، جیسے کافور
ہوش اڑ جائیں ترے غش کی سی حالت ہووے
نفرت آنے لگے ہر اک کو ، یہ صورت ہووے

لمعۂ ناصیہ ہو گیسوؤں سے ایسا عیاں
نصف مہتاب تہِ ابر ہو جس طرح نہاں
اور بھویں ایسی ہوں کافر کی کہ جیسے کہ کہاں
اصفہانی ہو کھنچی یا کہیں تیغِ برّاں
دیکھ کر اس کی بھویں ، بھوں یہ چڑھانی بھولو
ایسی چھپکلیاں سی کاجل کی بنانی بھولو

ہوں فسوں ساز وہ کافر کی بلا چشمِ سیاہ
ایک چشمک سے ہوں سب ساحرِ بنگالہ تباہ
ہووے وہ عابدِ صد سالہ فریب اس کی نگاہ
دیکھ کر مانگے فرشتہ بھی جسے دل میں پناہ
خود بخود اشکِ ندامت میں یہ ڈھیلے گھل جائیں
ہووے وہ آنکھ کہ جس سے تری آنکھیں کھل جائیں

ہو وہ خوکردۂ خوں ریزیِ عاشق مژگاں
جانِ عشاق ہو اس تیرِ مژہ کے قرباں
پنجۂ دستِ قضا اس کو کہیں اہلِ زباں
فتنۂ حشر ہو ہر جنبشِ پنہاں سے عیاں
تُو گر اس جنبشِ مژگاں پہ کرے ایک نگاہ
بیٹھ ہی جائے کلیجے کو پکڑ کر سرِ راہ

اور ہو بینیِ موزوں کا یہ اس کی نقشا
لوحِ قدرت پہ الف جیسے ہو قدرت سے کھنچا
دیکھ اس کو نہ رہیں آپ کے پھر ہوش بجا
بے خودی میں یہی جی چاہے کہ کیجے سجدا
رکھ کے سر پاؤں پر اس شوخ کے ترسا ہوجائے
ناصیہ سائی سے پیشانی میں گھٹّا ہوجائے

غنچۂ باغِ عدم اس کی ہو تنگیِ دہاں
لعل ہوں ہونٹ تو ہیرے کی کنی ہوں دنداں
ہووے اس نکتۂ موہوم سے قدرت یہ عیاں
ایک بجلی سی چمک جائے، اگر ہو خنداں
اس کے اوصافِ دہن سن لے اگر کان سے تو
ہاتھ دھو بیٹھے اسی وقت مگر جان سے تو

روکشِ عارضِ خورشید ہو عارض کی ضیا
خال کا ہند سے لے تا بہ حبش ہو شُہرا
چاہِ غبغب کبھی گر دیکھ لے یوسف اس کا
عمر بھر چاہِ محبت میں رہے اس کے پھنسا
سیبِ جنت سے فزوں سیبِ ذقن ہو اس کا
شعلۂ طور جسے کہیے، بدن ہو اس کا

اس کی گردن کی صراحی اگر آ جائے نظر
ہچکیاں لے لے کے رویا کرے تُو شام و سحر
قبّۂ نور کہیں شانوں کو سب اہلِ بصر
دیکھتے ہی انھیں تو تھام لے ہاتھوں سے جگر
سینہ اُبھرا ہوا وہ دیکھ کے حسرت ہووے
آپ ہی اپنے سے دل میں تجھے نفرت ہووے

کان ہوں اس مہِ انور کے کہ جیسے گلِ تر
اور بنا گوش کے ہو نور پہ قربان سحر
بجلیاں پہنے ہوئے کانوں میں ہو وہ دلبر
اورجھڑے بھی ہوں پڑے مونڈھوں سے نیچے ڈھل کر
ہووے وہ زلف کہ دیکھے سے پریشاں ہو تو
اپنی ان باتوں سے کیا کیا نہ پشیماں ہو تو

ساعدِ دستِ نگاریں کا ہو ایسا جوبن
ڈھالے بلّور کی جیسے کہ کوئی شاخِ سمن
پہنچیاں پہنچے پہ ہوں ، بازوؤں پر ہوں جوشن
پنجۂ مہر جلے دیکھ کے پنجے کی پھبن
دیکھ اس دستِ حنائی کو پسے دل تیرا
پنج شاخہ بنے پنجہ سرِ محفل تیرا

چھاتیاں اُبھری ہوئی اور وہ جوانی کی بہار
جس پہ بن دیکھے ہو نا محرموں کی جان نثار
ایسے پستاں ہوں ترنجِ شجرِ قامتِ یار
کھٹّے ہو جائیں جسے دیکھ کے جنت کے انار
کچھ جھلکتی جو دوپٹے کی تو تہ سے دیکھے
چھاتی بھر آئے یہ حسرت کی نگہ سے دیکھے

وہ شکم آئنۂ قدرتِ یزدانی ہو
سیم گوں چھوٹی سی اک تختیِ نورانی ہو
جوہرِ ناف بھی وہ عرض درخشانی ہو
چشمِ انجم کو جسے دیکھ کے حیرانی ہو
خواب میں دیکھ کر اس آئنۂ حیرت کو
پیٹ کُرتے میں چھپاؤ جو اگر غیرت ہو

پشت وہ چشمۂ حیواں سے دوبالا ہووے
صدقے مہتاب کا اس پشت پہ ہالا ہووے
چوٹی اس پر ہو پڑی ، حسن نرالا ہووے
منہ میں مَن جیسے لیے کھیلتا کالا ہووے
آپ گر دیکھیں وہ پشت اور وہ کھجوری چوٹی
عمر بھر پھر نہ گندھے سد کی یہ پوری چوٹی

وہ نزاکت ہو کمر میں کہ رگِ گل ہو خجل
کھائے لچکے جو ڈھلے دوش پہ سر سے آنچل
دونوں جانب ہوں پڑے زلفِ گرہ گیر کے بل
جس کی خوبی سے دلِ سنبلِ تر ہو بے کل
اس نزاکت پہ اگر اس کی اکڑ دیکھے تُو
دونوں ہاتھوں سے کمر اپنی پکڑ لیوے تُو

گول گول اس کے سُریں اور وہ بلّور سی راں
آوے دیکھے سے تنِ عاشقِ بے جاں میں جاں
پنڈلیاں دیکھ بھڑک جائے نہ کیونکر انساں
شمعِ حسن ہو ، پروانہ ہوں جس کی پریاں
پاؤں اس گل کے ان ہاتھوں سے دباؤں کیا کیا
شعلہ رو ! شعلہ نمط تجھ کو جلاؤں کیا کیا

نرم نرم اس کے کفِ پا ہوں وہ رشکِ مہتاب
فرشِ قاقم پہ رکھے پاؤں تو ہووے بیتاب
ناخنِ پا مہِ نو دیکھ کے ہو رو بہ‌نقاب
پاؤں جب رکھے زمیں پر جو بچھے برگِ گلاب
دیکھ کر وہ کفِ پا آپ کو گر غیرت ہو
لے کے دیکھو نہ کبھی آئنہ پھر صورت کو

ہووے اس قامتِ دل کش پہ قیامت صدقے
سروِ جنت بھی اسے دیکھ کے غش کھا کے گرے
پائنچے تھام کے چٹکی میں وہ جس وقت چلے
ہو کے بے ہوش گریں، پریوں کے گر ہوویں پرے
یہ ہو آس زہرہ جبیں، ماہ لقا پر جوبن
صدقے جوتے کے ستاروں پہ ہو سورج کی کرن

جاں فزا ہو دمِ رفتار صدائے خلخال
وضعِ مستانہ ہو اور اس پر ہو اک ناز کی چال
پاؤں وہ ناز سے جس جا پہ رکھے بدر کمال
خاک اس جائے کی لے جائے پری آنکھ میں ڈال
اتّفاقاً کہیں وہ نقشِ قدم دیکھو تم
آئنہ پھر نہ کبھی تا بہ عدم دیکھو تم

ہو وہ تقریر کہ دیکھا کرو چہرہ اس کا
سامنے اس کے نہ جائے کبھی تم سے بولا
سیکڑوں پھبتیاں تم پر کہے وہ نامِ خدا
دیکھ کھسیانا تمھیں کیا ہی ہمیں آئے مزا
چھیڑے ایسا تمھیں ہنس ہنس کے کہ رونے لگ جاؤ
آؤ غیرت پہ تو پھر جان کو کھونے لگ جاؤ

غمزه و ناز و کرشمہ و ادا میں انداز
موقع موقع سے ہو ہر عضوِ بدن کے انباز
چشم ہو نرگسِ جادو ، لبِ میگوں اعجاز
ہووے دلچسپ مزامیر سے افزوں آواز
اس کی آوازِ خوش آہنگ سناؤں تجھ کو
ہو کے سرگرمِ سخن اس سے جلاؤں تجھ کو

میلے ٹھیلے ہوں سدا اور سدا ہووے بہار
رتھ میں وہ بیٹھے ہوں اور گھوڑے پہ ہم ہوئیں سوار
چاکِ پردہ سے ہمیں جھانکتے جاویں ہر بار
ہوں اشاروں میں وہ باتیں کہ نہ سمجھیں اغیار
دیکھ یہ ربطِ بہم سینہ ترا چھن جاوے
جی یہ چاہے کہ کسی طرح سے یہ من جاوے

مجھ میں اور اس میں یہ کچھ ربطِ وفا ہو باہم
وہ مرے نام کا عاشق ہو ، میں اس کا ہمدم
رنجشِ تفرقہ پرداز ، نہ اغیار کا غم
ہوویں سرشار مۓ نابِ محبت میں ہم
اس کو لپٹا کے گلے، لطف اٹھاؤں کیا کیا
کوفت جو دل نے اٹھائی ہے ، مٹاؤں کیا کیا

باغ میں ساتھ کبھی اپنے اسے لے جاؤں
نغمۂ بلبل و طوطی میں اسے سنواؤں
فرض گل کر کے خیاباں میں اسے بٹھلاؤں
لبِ جُو بادۂ گل رنگ اسے پلواؤں
باہم ایسا مئے دوآتشہ کا دور چلے
گھر میں تو آتشِ اندوہ میں گھٹ گھٹ کے جلے

بزمِ احباب میں جاؤں جو بتقریب کہیں
آدمی ساتھ نہ ہو ان کا یہ ممکن ہی نہیں
خاصداں پانوں کا پھر دوسرا لے پہنچے وہیں
دو گھڑی میں یہ پیام آئے، رہو شب کو وہیں
روٹھ جاویں جو لگے دیر مجھے محفل میں
منتیں کرکے مناؤں انھیں اک مشکل میں

جی میں آتا ہے کہ ملنے سے قسم کھاؤں ترے
ہوئے بت خانۂ چیں تو بھی نہ گھر آؤں ترے
سوتے میں بھی نہ کروں گھر کی طرف پاؤں ترے
ہے یہی شرط اسے ضد سے ابھی لاؤں ترے
دم پھڑک جائے گا واللہ جو وہ آئیں گے
منہ چھپا لو گے جو شکل اپنی وہ دکھلائیں گے

میں نے پھر عہدِ وفا جس سے کیا اس سے کیا
مجھ سا عاشق نہیں ملنے کا ، نہیں ملنے کا
ہے یہی وقت جو کچھ ہو گا ابھی ہوئے گا
دی دغا تو نے مجھے پھر نہ یہ فرمائیے گا
ابھی لے آتا ہوں اس ماہ لقا کو جا کر
کل دکھاؤں گا جو فرماؤ گے تو یاں لا کر

کچھ نہیں اب بھی گیا ، مان لو میرا کہنا
بند کر دیجیے اغیاروں کا گھر میں آنا
ووہی ہم ہیں ، وہی تم اور وہی رہنا سہنا
گر نہ مانو گے تو تم دل میں سمجھ یہ لینا
خود بخود ہو کے خجل نامہ و پیغام کرو
جس میں ہو رفع تنازع وہی انجام کرو

چاہیے آدمی ہر روز تمھارے آویں
نت نیا صلح کا پیغام زبانی لاویں
میں ملوں یا نہ ملوں گھر میں وہ کہہ کہہ جاویں
میری جانب سے جواب آپ نہ جب کچھ پاویں
حکم گھبرا کے یہ دو "میری سواری لاؤ"
بن بلائے مرے، تم آپ سے دوڑے آؤ

شہر میں چرچے محبت کے مری گھر گھر ہوں
آپ مشہور جفا کار، ستم پرور ہوں
دوست جو آج ہیں، دشمن سے بھی کل بدتر ہوں
آپ سے آپ یہ اغیار رفو چکّر ہوں
نہ تو ہم ہوں، نہ یہ اغیار، نہ جوبن ہووے
نہ یہ انداز، نہ جلوہ پسِ چلمن ہووے

حسنِ دو روزہ پہ اتنا نہ کرو دل میں غرور
اک نرالے تمھی دنیا میں نہیں غیرتِ حور
شہر میں سیکڑوں معشوق ہیں چشمِ بد دور
خاتمہ ہو چکا حجّت کا، بس اب ہوں مجبور
آپ کے سر کی قسم خوب ہی پچھتاؤ گے تم
دیکھ لینا کہ یہ ساعت نہیں پھر پاؤگے تم

بسکہ ہوں اہلِ وفا اور اٹھائے ہیں ستم
دل لگی کرنے سے آیا ہے مرے ناک میں دم
تجھ سوا اور سے چاہت کی بھی کھاتا ہوں قسم
مجھ سا شاعر بھی ملے گا کوئی اس وقت میں کم
کوئی مضمون نیا ڈھونڈ کے ایسا لاؤں
بن بلائے تجھے گھر بیٹھے بلا لے جاؤں

ہے یہی تم کو مناسب کہ ابھی مل جاؤ
بھیج دوں تم کو سواری جو اگر فرماؤ
رنجِ بے جا کی شکایت نہ زباں پر لاؤ
جس طرح آتے تھے گھر اپنا سمجھ کر آؤ
شہرۂ شہر دوبارہ مری چاہت ہووے
وہی تم ہو، وہی گھر ہو، وہی راحت ہووے